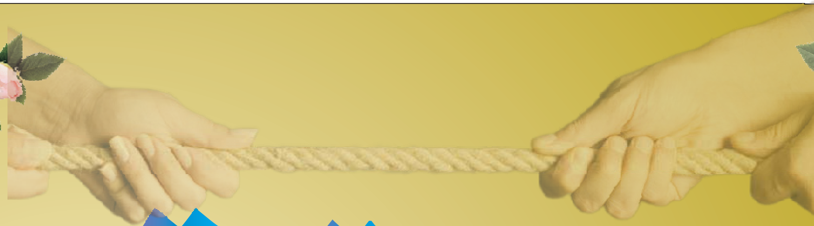




اتحاد واتفاق

کے

بغیر آپ کی جماعت کا فیل ہونا طے ہے



اس کتاب میں فیملیوں، تحریکوں، جماعتوں، اور حکومتوں کی کامیابی اور اُن کے استحکام وبقاء کا راز، اتحادی قوت کے اسباب وفوائد، ثمرات ونتائج، اور اختلاف وانتشار، اور آپسی فساد سے محفوظ رہنے کے صحیح اسلامی اصول ودستور پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔



مؤلف

حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

خلیفہ ومجاز

حبیب الامت حضرت مولانا ادریس حبان رحیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ



خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور ضلع دربھنگہ (بہار)

اتحاد و اتفاق



بغیر آپ کی جماعت کا فیل ہونا طے ہے

اس کتاب میں فیملیوں تحریکوں، جماعتوں، اور حکومتوں کی کامیابی اور اُن کے استحکام وبقاء کا راز، اتحادی قوت کے اسباب وفوائد، ثمرات ونتائج، اور اختلاف وانتشار، اور آپسی فساد سے محفوظ رہنے کے صحیح اسلامی اصول ودستور پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

﴿مؤلف﴾

حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

﴿خلیفہ ومجاز بیعت﴾

حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم ادریس حبان رحیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ ومجاز حضرت مولانا حکیم ذکی الدین صاحبؒ پرنامبٹی

خلیفہ ومجاز مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان جلال آبادیؒ

خلیفہ ومجاز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر: خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور ضلع دربھنگہ (بہار)

مخلص اور طالب حق کو طباعت کی اجازت ہے

اگر کوئی نیکی کا طالب اردو کے علاوہ دوسری زبانوں میں اس کتاب کو منتقل کرنا چاہے تو اجازت ہے۔

نام کتاب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اتحادواتفاق کے بغیر آپ کی جماعت کا فیل ہونا طے ہے۔

مؤلف۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

کمپیوٹر و کتابت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔عبداللہ علاء الدین قاسمی

صفحات۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔113

تعداد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ملنے کے پتے

☆ قاری عبدالعلاّم صاحب، C-178 تیسری منزل نزد چاند مسجد پُرانی سیماپوری (دہلی-95)

☆ حاجی عبدالغنی صاحب، A-330 نزد مرکزی جامع مسجد پُرانی سیماپوری (دہلی-95)

☆ قاری مطیع الرحمٰن صاحب، اتوار بازار، نزد مدینہ مسجد، اگرنگر مبارک پور، (نئی دہلی)

☆ محمد اسلم و حافظ عبدالعزیز صاحب، چمن جنرل اسٹور 1981 گلی قاسم جان بازار لال کنواں، نزد ہمدرد دواخانہ (دہلی-6)

Mobile:

Abdullah: 7654132008-Q . Abdul Allam: 9818406313

H. Abdul Gani : 9811542512 Md Aslam: 9250283190

H. Abdul Aziz: 9811626704 Q. Mutiur Rahman: 8882919635

Email: Abdullahdbg1994@gmail.com

فہرست

عناوین	صفحات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

ایک ہو جاؤ تو بن سکتے ہو خورشید مبیں
ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا بات بنے

ہر انسان فطرت اسلام پر پیدا ہوا ہے، خواہ وہ مسلمان ہو، یا غیر مسلم، اور اس کا سارا کا سارا نظام حیات بھی فطری ہے، جب کوئی انسان اس کے خلاف قدم اٹھاتا یا کوئی حرکت کرتا ہے تو وہ قدرت کی نگاہ میں مجرم شمار ہوتا ہے، انسان کا چاہے جسمانی نظام ہو، یا روحانی، علمی ہو، یا معاشی و اقتصادی ،ہر شعبۂ حیات میں اسی فطرت حق اور فطری نظام کا عمل دخل ہے۔

دو اور چند انسانوں کے درمیان آپسی اتحاد و اتفاق کا خدائی قانون بھی اللہ کی طرف سے انسان کے لیے بالکل ایک فطری عمل، فطری بات اور اس کی فطری صفت ہے، جب جب انسانوں نے قدرت کے اس قانون ''اتحاد'' کا احترام والتزام کیا دنیا میں رونق، امن وسکون اور بہار رہی، بہار رہی اور جب اس کے ساتھ کھلواڑ کیا، یا اس کی ناقدری کی اور اس کو پس پشت ڈال دیا تو فساد و انتشار اور آپسی شقاق و اختلاف کی نذر ہو گئے، روئے زمین پر خدا کی جانب سے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر علیہم السلام بھیجے گئے، ہر ایک کا بنیادی پیغام، توحید الٰہی اور اس کے حقوق کی تعلیم کے ساتھ ساتھ، وحدت انسانیت بھی تھا، ہر پیغمبر نے خدائے واحد، وحدہ لاشریک پر ایمان ویقین، اور آپسی اتحاد و اتفاق کی دعوت و تعلیم دی، قرآن شریف میں سورۃ آل عمران میں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعًا وَلاَ تَفَرَّقُواْ وَاذْكُرُواْ نِعْمَةَ اللّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاء فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىَ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ۔

اور اللہ کی رسی کو سب ایک اور متحد ہو کر مضبوطی سے پکڑ لو، اور متفرق اور منتشر مت ہو، اور یاد کرو! اللہ کے اس احسان کو جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا، اور متحد کر دیا، پھر تم اللہ کے فضل و کرم سے ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن گئے، جس طرح بھائیوں میں اتحاد و اتفاق ہوتا ہے وہی اتحاد و اتفاق اور آپس میں محبت قائم ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتوں کو کھول کھول کر تمہیں بتاتا ہے، تاکہ تم صحیح اور راہِ حق پر چلتے رہو۔

اسلام سے پہلے تم جہنم کے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، جس میں گرنے سے اللہ نے تم کو بچا لیا۔

اس آیت میں صاف صاف یہ بتلا دیا گیا ہے کہ انسان اسلام سے پہلے مذہب سے محروم اور دور ہونے کی بنا پر قانون الٰہی کو پامال کر کے ایک غیر انسانی اور غیر فطری زندگی گزار رہا تھا، آپسی اتحاد و اتفاق سے یا تو ناواقف تھا، یا پھر علم ہوتے ہوئے اس پر عمل سے محروم تھا، جس کی بنا پر فساد و آنار کی، آپسی رقابت و مخاصمت، اور تنگی و تناؤ سے ہر انسان کی زندگی گویا جہنم کا نمونہ بن چکی تھی، انسان انسان کا دوست بننے کے بجائے دشمن بن چکا تھا، ظلم و جبر اور حقوق تلفی کی بلاؤں اور وباؤں سے پوری انسانیت کراہ رہی تھی، راہ فطرت اور راہ حق سے بعد اور دوری کی وجہ سے انسان ایک دوسرے کے لئے ظالم و قاتل، خونخوار اور حملہ آور رہتا تھا، مذہب کی تعلیم سے رشتہ یکسر ختم ہو گیا تھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس روئے زمین پر مبعوث ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ سے انسانوں کو خدا کے اس فطری نظام حیات سے روشناس اور خبر دار کرایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو خدا کے پیغام کے ذریعے انسانیت، آپسی اتحاد و اتفاق، اور بھائی چارہ کی تعلیم و ہدایت

فرمائی، چنانچہ آپ ﷺ کی تعلیم پر لوگوں نے کان دھرا، اس پر عمل کر کے دکھایا، تو دنیا میں دوستوں، ساتھیوں، اور سچے بھائیوں کی ایک عظیم جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی شکل میں سرور کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر تربیت اور زیر نگرانی پوری دنیا کے سامنے بن کر تیار ہو گئی، جنہوں نے اتحاد و اتفاق کے اس فطری نظام کی مکمل قدر کی، اس پر دل و جان سے عمل پیرا ہوئے، اور آپسی اتحاد و اتفاق اور محبت و بھائی چارہ کی ایسی مثال قائم کی کہ دنیا کے کسی مذہب کے پیروکاروں میں کسی بھی دور میں ایسی مثال نہیں ملتی، جہاں بھی گئے، جہاں بھی رہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح رہے، ان کے اس آپسی اتحاد و اتفاق کے نتیجہ میں اللہ کا دین پوری عالم میں پھیلتا چلا گیا، صحابہ کرام ؓ کے آپسی اتحاد و اتفاق کا راز یہی تھا کہ انہوں نے اللہ کے اس فطری نظام کی قدردانی، پاسبانی، اور عملی طور پر نگہبانی و نگرانی کی، اس دولت اتحاد کو محفوظ اور باقی رکھنے کے لیے انہوں نے اللہ تعالی کے بتائے ہوئے ہدایات پر پورا پورا عمل کر کے دکھلایا۔ اللہ تعالی نے ان کے بارے میں فرمایا تھا: مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ۔ (سورہ فتح)

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب و رفقاء، اہل کفر و طغیان پر زور آور اور آپس میں ایک دوسرے کے لئے نہایت ہمدرد (اور مادر مہربان کی طرح) نرم دل، اور مکمل مہربان رہتے تھے، ان کی خوبیاں اور صفات یہ بھی تھیں کہ وہ ہمیشہ حالت رکوع و سجود اور کثرت عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ چاہے دل و زبان سے ہو، یا اعضاء و جوارح سے، اور اسی کے بدولت ان کے اندر تواضع و خاکساری، ملنساری، اور ایک دوسرے کے لئے ایثار و قربانی کے نیک جذبات بدرجہ اتم بیدار ہو گئے تھے۔ صحابہ کرام ؓ کی ایک خاص ادا، اور خاص امتیاز یہ تھا کہ وہ اللہ کے فضل اور رضوان کو ہمیشہ اور ہر چیز میں ڈھونڈا کرتے تھے، چاہے نیکی پہاڑ جیسی

ہو، یا ذرہ برابر، ہر عمل، ہر مقام، ہر جگہ، ان کے پیش نظر رضائے مولیٰ ہی ہوتا تھا، اور یہی ان کی کامیابی کا بنیادی سبب تھا، جس سے آج ہم لوگ محروم ہیں۔

صحابہ کرامؓ کو جب حکم ہوا کہ :وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعًا وَلاَ تَفَرَّقُواْ۔(سورہ آل عمران) سب مل کر اللہ کے دین کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو، اور متفرق اور منتشر مت ہو، تو صحابہ کرامؓ نے خدا کے اس حکم پر آخری آخری سانس تک مسجد سے آشیانہ تک اور آشیانہ سے میدان کارزار تک، ہر جگہ سو فیصد عمل کر کے دکھا دیا، ذاتی اغراض و مقاصد کو کبھی خدا کے اس حکم کی تعمیل کی راہ میں حائل ہونے نہیں دیا۔ صحابہ کرامؓ کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ کسی بھی صحابیؓ نے اپنے کسی ذاتی مقصد وغرض کی خاطر خدا کے اس حکم وفرمان سے کبھی منہ نہیں موڑا، اور نہ ہی کبھی خلاف ورزی کی نوبت ہی آنے دی، آپسی اتحاد واتفاق کی اس دولت خداوندی اور حکم رب العالمین کو محفوظ اور قائم رکھنے کے لئے انہوں نے جان و مال سب کچھ قربان کر دیا، مگر کبھی خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فطری وجوہری نظام کو آنچ نہیں آنے دی۔ اسی فولادی اتحاد واتفاق کی برکت سے اللہ نے ان کو آسمان وزمین ہر جگہ عزت اور فتح ونصرت عطا فرمائی، اسی لیے صحابہ کرامؓ کے دور کو عظیم انسانوں کا دور کہا جاتا ہے، ایسا مبارک اور ایسا عظیم دور دنیا میں صحابہؓ سے پہلے اور صحابہ کرامؓ کے بعد کبھی کہیں نہ دیکھا گیا، آج دنیا کا ہر تعلیم یافتہ اور مہذب انسان جانتا ہے کہ جماعت صحابہؓ کا ہر فرد سورج اور پہاڑ کی طرح روشن اور بلند تھا، چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی ایک ایک صحابیؓ کا رعب و مقام دلوں میں قائم اور بیٹھا ہوا ہے، یہ رعب یہ ہیبت، یہ عزت، اور رتبۂ بلند سارے جہاں میں ان کو اس لیے نصیب ہوا تھا کہ انہوں نے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے حکم، اتحاد و اتفاق اور اس کے تمام اسباب کا علمی اور عملی ہر لحاظ سے خیال رکھا تھا۔

جب اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا۔ **وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ**۔ (سورۂ انفال)

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور بات مانو، اور آپس میں نزاع اور جھگڑا مت کرو، ورنہ تم فیل اور ناکام ہو جاؤ گے، اور تمہاری ہوا نکل جائے گی، جب نزاع کی گھڑی آ جائے تو رک جاؤ، برداشت کرو، اور صبر سے کام لو، بلاشبہ اللہ تعالی صبر کرنے والوں کا حامی ہے۔ تو سارے صحابہ کرامؓ نے خدا کے اس حکم پر مکمل عمل کر کے دکھلایا، اور سرمنہ بھی اس کی تعمیل و پابندی سے کسی نے انحراف نہیں کیا، نتیجۃً اللہ نے ان کو ہر جگہ فتح مبین بھی عطا فرمائی۔

آج ہم لوگ ذرا موجودہ اسلامی معاشرہ پر ایک نظر ڈالیں کہ کیا آج کا معاشرہ صحابہ کرامؓ کی زندگیوں سے کہیں بھی میل کھاتا ہے، کیا ہمارے معاشرے پر صحابہؓ کے عمل و کردار کا کوئی رنگ دکھائی دیتا ہے، کیا ہم صحابہؓ کی اس فطری و منظم زندگی کی تقلید و اتباع پر گامزن ہیں، ہرگز نہیں، ہم لوگوں کی زندگی سراسر غیر فطری اور غیر انسانی ہو چکی ہے، ہم دین و دنیا کے کسی بھی شعبہ میں کامیاب وصحت مند زندگی نہیں گزار رہے ہیں، کہیں فطرت کے خلاف، تو کہیں قدرت کے فرمانوں کے خلاف، ہر شعبہ زندگی پر اپنے ہی ہاتھوں سے ہم ظلم واستحصال کے برچھے چلا رہے ہیں، مگر افسوس کہ۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

ہم دین کی صحیح ''حس'' سے بے خبر ہیں، ہمارے اندر نہ اپنے دین کے لئے کوئی درد ہے، نہ قوم وملت ہی کے دین کی پاسبانی و پاسداری کیلئے کوئی درد و کرب ہے، ہم خدا کی نافرمانیوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے ایک حواس باختہ اور بے ہوش قوم بن کر رہ گئے ہیں، ہمارا دینی احساس بیدار نہیں ہے، ہم پر دنیا، اہل دنیا اور اہل باطل کا منحوس سایہ پڑ چکا ہے، ہم ان سے مکمل مرعوب ہو چکے ہیں، ہمارا اپنے دین و مذہب اور تمدن و تہذیب پر سے اعتماد ختم ہو چکا ہے۔ ہمارا مزاج غیر فطری، غیر اسلامی اور غیر دینی بن چکا ہے، یہی وجہ ہے کہ خدا کے احکام وفرامین کو ٹھکرانے کی وجہ سے صحیح اسلامی شعور سے ہم دن بدن محروم ہوتے جا رہے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایک کامیاب، فاتح اور مبارک قوم بن کر دنیائے انسانیت کے لیے اگر ہمیں رحمت وبرکت کا صحیح داعی، پیامبر اور نمونہ بننا ہے تو آئے ہم خدا کے اس حکم کی تعمیل کے لیے اولین کوشش اپنے آشیانہ اور اہل خانہ سے شروع کریں، بات تو تلخ ہوگی، مگر ان شاء اللہ آپ کو نفع ضرور ہوگا، اور خوب ہوگا، اور اس کا آپ کو بہت جلد ثمرہ بھی مل جائے گا، اور وہ یہ کہ غرور کے ہم نے جو دو گندے اور ناپاک لبادے ایک جسم کے اندر اور ایک جسم کے باہر، اوڑھ رکھے ہیں جنہوں نے ہماری زندگی کے سارے مادی ومعنوی نظام کو پراگندہ اور منتشر کر رکھا ہے، انہیں اتار پھینکیں۔ اور یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ قرآن مقدس میں اس کی وعید موجود ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ۔ (سورۃ لقمان)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ محبت نہیں فرماتے اور نہیں چاہتے ہیں ایسے شخص کو جو دل میں فخر کرے، یا زبان و جسم سے گھمنڈ کا اظہار کرے، یہ آیت کریمہ سورۂ لقمان کی ہے، اس سے پہلے جو مضمون چل رہا ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان علیہ السلام کی اس نصیحت کو بیان فرمایا ہے جو وہ اپنے بیٹے کو فرما رہے ہیں کہ، بیٹے اگر کوئی چیز رائے کے دانہ کے برابر بھی ہو اور وہ کسی پتھر کی چٹان کے اندر یا آسمانوں میں یا زمین میں ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو سب کے سامنے حاضر کر دے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ چھپی ہوئی چیزوں کی پوری خبر رکھتا ہے۔ اگلی آیت میں ہے کہ غرور سے مت دیکھو! اور لوگوں کو حقیر سمجھ کر متکبروں کی طرح بات مت کرو، اللہ تعالیٰ اترانے والے اور شیخیاں مارنے والے کو پسند نہیں فرماتے۔

مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے جس ظاہری اور باطنی تکبر سے اپنے بندوں کو روکا ہے، اس میں آج ننانوے فیصد لوگ مبتلا ہیں، یہی وہ مرض ہے جس نے ہمارے اتحاد واتفاق کی جڑوں کو کھوکھلا کیا ہے، مگر افسوس کہ اس سے نکلنے کی فرصت کسی کو نہیں مل پارہی ہے، ہر انسان اس میں کم وبیش مبتلا ہے، ہر فیملی تکبر کی اسی بلا سے پریشان، ہر جماعت وتنظیم، ہر محلہ اور ہر مسجد کی کمیٹی، اسی مرض سے دوچار ہے۔ انفرادی طور پر بھی، اور اجتماعی طور پر، ہر جگہ ہم گلے گلے اس میں غوطہ لگا رہے ہیں۔

ایک مومن کی نگاہ ہمیشہ مخلصانہ اور حقیقت پسندانہ رہنی چاہئے تب ہی وہ کسی چیز میں کامیاب ہوسکتا ہے، اور اس سے صحیح فائدہ اٹھا سکتا ہے، اس لیے آیئے ہم غور کریں کہ آپسی اتحاد و اتفاق کے کیا اسباب ہیں، اور اتحاد ختم اور ناپید ہونے کے کیا اسباب و وجوہات ہیں؟ شروع تحریر میں ذکر کیا گیا ہے کہ اتحاد و اتفاق دو اور چند انسانوں کے درمیان ایک فطری چیز ہے، اس لیے کہ انسان، حیوان، حتی کہ جمادات تک میں بھی قدرت کی جانب سے اس دستور کا لحاظ رکھا گیا ہے، جمادات میں آپ کپڑے اور چٹائی میں غور کریں کہ سینکڑوں رسیوں سے ملکر ایک چٹائی تیار ہوتی ہے، جبکہ بکھری ہوئی ہزاروں رسیاں ہوں پھر بھی ان سے کوئی چٹائی تیار نہیں ہوتی۔ سینکڑوں دھاگوں کو یکجا کر کے ایک کپڑے کا تھان بنایا جاتا ہے، یہی دھاگے اگر علیحدہ علیحدہ ہوں تو ان سے کوئی کپڑا تیار نہیں ہوگا، حیوانات میں دیکھیں بطخوں کا سردار جدھر جائے گا سارے بطخ اس کے پیچھے متحد ہو کر چلیں گے۔ جنگلوں میں ایک جانور کا متحدہ جھنڈ دوسرے جانور کے گروہ پر متحدہ طور پر حملہ آور ہوتا ہے، اگر مقابلہ میں شیروں کی بھی جماعت ہو تو بھینسوں کی متحدہ جماعت اس پر حاوی ہوجاتی ہے، یہی ہے اتحادی قوت، یہ قدرت کا قانون تو ہے ہی، مگر اس کا خیال اور لحاظ رکھنا بھی نہایت ضروری ہے، کیونکہ اسی اتحاد کے خدائی اور فطری قانون کی بدولت ہر جگہ اور ہر چیز میں حسن بھی ہے، رونق بھی، قوت بھی ہے، برکت بھی، نفع بھی ہے، اور انجام بخیر بھی، ہر مخلوق، اور ہر قوم میں، ہر جماعت اور ہر محفل میں، اسی سے ترقی، اسی سے تکمیل کار اور مکمل بہار بھی ہے، کسی جماعت کو معاشرے میں انقلاب برپا کرنا ہے تو آپس میں اتحاد و محبت کی ضرورت ہے، کسی ادارہ کو نفع بخش اور نتیجہ خیز بنانا ہے تو اس کے افراد کے درمیان اتحاد ناگزیر ہے، کسی خاندان کو مضبوط اور متحد رکھنا ہے تو اہل خاندان کے درمیان اتحاد کا نظام بنانا ضروری ہے، کسی فیملی کو کامیاب اور بابرکت و پر رونق اور عزت و وقار کا حامل بنانا ہے تو فیملی کے جملہ افراد کے درمیان اتحاد کی ضرورت ہے، کسی

بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی حکومت کو قائم و دائم رکھنا ہے تو اس کے سربراہوں، وزیروں، اور جملہ ممبروں کے درمیان اتحاد کی شدید اور سخت ضرورت ہے، الغرض آپ کو جو بھی فضا اور ماحول، یا کوئی اجتماعی نظام قائم کرنا ہے اور اسے آپ سدا باقی بھی رکھنا چاہتے ہیں تو کام کی قیادت کرنے والوں کے درمیان اتحاد لازمی اور ضروری ہے، خدا کے اس فطری نظام اور قانون پر عمل ہر جگہ ضروری ہے، اس کے بغیر کوئی حکومت کامیاب نہیں، کوئی قیادت کامیاب نہیں، کوئی ادارہ اور اسکول کامیاب نہیں، کوئی تنظیم اور جماعت کامیاب نہیں، اور نہ ہی کسی فیملی کو بقاءواستحکام ہی حاصل ہوسکتا ہے۔

اللہ تعالی نے ہمارے ہاتھوں میں پانچ انگلیاں بنائی ہیں، کسی بھی ہاتھ کی پانچوں انگلیوں میں سے کوئی ایک انگلی بھی ضائع ہوجائے تو اس ہاتھ میں نقص پیدا ہوجائے گا، اس ہاتھ میں وہ حسن اور طاقت نہیں رہے گی جو دوسرے ہاتھ کی پانچوں انگلیوں میں ہے، معلوم ہوا کہ جس ہاتھ میں ایک انگلی کی بھی کمی ہوگی وہ ہاتھ کمزور، بے رونق اور پوری قوت سے محروم ہوجائے گا، اسی طرح جس فیملی کے پانچ افراد کے درمیان اتحاد واتفاق کا نظام قائم ہے اگر ان میں سے ایک بھی فرد اس فیملی سے دور اور علیحدہ ہوگا تو یقینا اس فیملی کے رعب وقوت میں کمی واقع ہوگی اور اگر خدانخواستہ ایک شخص اور بھی اس سے ٹوٹ گیا تو پھر وہ فیملی بھی جلد یا بدیر پھوٹ وانتشار کا شکار ہوجائے گی، اسی پر خاندانوں، تنظیموں، اداروں، جماعتوں اور حکومتوں کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔ خاندان کا ایک شخص بھی خاندان کی روایتوں کے خلاف قدم اٹھاتا ہے تو گویا وہ اپنے خاندان سے علیحدہ محاذ قائم کرتا ہے، یہی شخص خاندان کے دیگر افراد کو بھی خاندان سے توڑے گا، اس طرح بتدریج خاندان کا اجتماعی نظام مختل اور بگڑ جائے گا، اور پھر اس خاندان کی اہمیت اس کا رعب ودبدبہ اور وقار واعتبار، سب پامال ہوتا چلا جائے گا، نہ کسی کا کوئی حامی ہوگا، نہ مددگار، ایک ہی خاندان کے درمیان نفسی نفسی کی فضا ہوگی، ہر سمت ویرانے اور بیگانے کے نظارے ہی نظارے ہوں گے، جیسے کوئی خزاں رسیدہ چمن ہو۔ اسی طرح حکومت کے

وزراء میں سے ایک وزیر بھی اپنی پارٹی سے الگ ہوتا ہے تو پھر دوسرے اور تیسرے شخص کے لئے بھی علیحدگی کی راہ نکلتی چلی جاتی ہے، اور جب پارٹی ٹوٹنا شروع ہو جاتی ہے تو پھر اس پارٹی کی حکومت کا بھی کوئی بھروسہ نہیں، کبھی بھی اس کا خاتمہ ہو سکتا ہے، اسی طرح اداروں اور تنظیموں کے افراد کے درمیان بھی آپسی اتحاد کی کمی بتدریج ان کو ناکام اور بے نتیجہ بنا دیتی ہے۔ مذکورہ تمام تحریرات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اتحاد کی نعمت قدرت کا حکم اور ایک فطری قانون ہے، اور خدا کے حکم اور قانون کے اندر مداخلت کرنا حرام ہے، اور آپسی اتحاد و اتفاق کے نظام کو منظم اور مستحکم رکھنے کے منجملہ اسباب کے یہ ہے کہ ہم اپنے عیوب کی اصلاح کرلیں، انشاءاللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، سب سے بڑا عیب جو اتحادی نظام کو پارہ پارہ کرتا ہے وہ ابلیسی صفت، غرور اور گھمنڈ ہے، اسی مرض ہلاہل نے دنیا کے سب سے بڑے عالم ابلیس کو آسمان سے زمین پر دے مارا تھا، اسی جرم عظیم نے بلندی سے پستی کی طرف اسے پھینکا تھا، اسی نے اس کو بارگاہ رب العالمین میں ذلیل و خوار اور راندۂ درگاہ کیا تھا۔

اسی رذیل اور ناپاک اقدام و حرکت نے اسے سارے جہاں میں ملعون و مردود اور آخرت میں جہنمی اور جہنم کا ایندھن بنا ڈالا تھا، سب سے پہلے اسی نے کہا تھا: **انا خیر منه**۔

میں آدم سے بہتر ہوں، اس لیے کہ آدم کو آپ نے مٹی سے پیدا کیا ہے، اور مجھے آگ سے پیدا کیا ہے، میں اعلیٰ ہوں اور یہ ادنیٰ ٹھہرے، اعلیٰ ادنیٰ کے آگے کیسے سر جھکائے، خدا کو ابلیس کا یہ متکبرانہ اور زبردستی کا مفتیانہ انداز اتنا برا لگا کہ اس کے اوپر اللہ نے ہدایت کا دروازہ ہی بند کر دیا، اسی کو غضب الٰہی کہتے ہیں، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ انسان کو گناہ میں اتنا آگے نہیں جانا چاہیے کہ اللہ کی طرف سے اس کے لیے ہدایت کا دروازہ ہی بند ہو جائے، جیسا کہ اس دشمن انسانیت کے لیے ہوا، ہمارے معاشرے میں ایسے شیطان کے بڑے چھوٹے بھائیوں کی کمی نہیں ہے، اس وقت معاشرہ کا بیشتر انسان اسی رذیل عمل میں مبتلا ہے، جس کی بنا پر وہ حق سے محروم ہوتا جا رہا ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے:

وَلَهُ الْكِبْرِيَاء فِي السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ (سورۃ جاثیہ)

بڑائی کا مالک وحقدار صرف اللہ ہے، یہ اس کی صفت خاصہ ہے، آسمان وزمین میں کہیں کوئی بڑائی کے لائق نہیں، ہر جگہ ہر چیز میں اسی کی بڑائی، اسی کی تعریف ہے، اور جب ظالم پر دروازہ بند ہو گیا تو توبہ کی توفیق کیونکر ہوتی، اس لیے عارف ہوتے ہوئے بھی اس کے دس لاکھ سال کی عبادت بھی پانی میں گئی، اور ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کے علوم بھی جو اسے ملے تھے بجائے نعمت و رحمت کے لعنت ومصیبت اور وبال دائمی کا ذریعہ بن گئے۔

اس لئے ہر ایسی تنظیم، جماعت، اور حکومت وسلطنت جو اتفاق واتحاد کی طاقت وقوت سے فائدہ اٹھانا چاہے اس کے ہر فرد پر یہ لازم ہے کہ تکبر کی لعنت سے خود کو باہر رکھنے اور بچانے کی پوری کوشش کرے، کیونکہ اتحاد واتفاق کی جڑ کو اس سے زیادہ کھوکھلا کرنے والی کوئی چیز نہیں، اسی نے ہر انسان، ہر فیملی، اور جماعت وحکومت کا بیڑا غرق کیا، اسی نے گھروں کے دئے بجھائے، اور سلطنتوں کے چراغ گل کئے ہیں، جب کسی تنظیم یا جماعت کے اندر خود غرض اور متکبر افراد کا عمل دخل شروع ہو جاتا ہے تو وہاں سے برکت ومحبت رخصت ہونا شروع ہو جاتی ہے، پھر ان کی جگہ تفریق واختلاف اور تشتت و انتشار کے راستے پیدا ہونے لگتے ہیں، اور اس طرح خاندان مٹنے لگتے ہیں، تنظیمیں پامال ہونے لگتی ہیں، اور حکومتوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اس لیے اتفاق واتحاد کو قائم اور باقی رکھنے والے جو اسباب ہیں ان کو اپنانا چاہئے۔ کوئی بھی درخت، مکان، ستون اور محل اپنی جڑوں اور بنیادوں پر ہی قائم رہتے ہیں، جڑیں مضبوط ہیں تو درخت مکان اور محل سب مضبوط، محفوظ، اور اپنی جگہ پر قائم اور نفع بخش رہیں گے، اور جب جڑیں اور بنیادیں ہی اکھڑنی شروع ہو گئیں تو پھر درختوں اور مکانوں کی شاخیں اور عمارتیں بھی رفتہ رفتہ گرنی شروع ہو جائیں گی، اسی لئے لوگ بنیادوں اور جڑوں کی حفاظت پر پورا دھیان رکھتے ہیں۔

آمدم برسر مطلب، اتحاد واتفاق کی مین جڑ بھی تواضع ہے، دین اسلام میں بندہ کو ایک کامل انسان بنانے کے لیے اس سے بڑی کوئی صفت نہیں دی گئی، یہ صفت بندہ کے ساتھ خاص ہے، اس میں اللہ تعالی بالکل شریک نہیں ہیں، یہ صفت قدرت کی طرف سے بندہ کے لئے ایک عظیم نعمت اور رحمت ہے، تمام خیر وبرکات اور جملہ کمالات انسانی کا یہ مبارک اور پاک ترین چشمہ

ہے، جو اس چشمہ تک پہنچ گیا وہ دونوں جہاں کا آبِ حیات پا جائے گا، دنیا سے لے کر آخرت تک، اس پر انعام واکرام خداوندی کی بارش شروع ہو جائے گی، وہ پستیوں سے بلندی کی طرف بڑھتا چلا جائے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من تواضع لله رفعه الله۔

جو تواضع اختیار کرے گا اللہ اس کے مقام کو بلند کرے گا۔

دنیا کی ہر چیز اور ہر نعمت میں اسی سے اضافہ اور نفع ہوگا، دولت، طاقت، سیاست، علم، عمل، گھر، مکان، غرض ہر جگہ اور ہر چیز میں اسی سے برکت و بہار آئے گی آپ نے تجربہ نہیں کیا ہے تو کر کے دیکھ لیجئے اور اگر علم وواقفیت نہیں ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور اپنے اسلاف کی حسین ومبارک روایات اور ان کی مبارک زندگیوں کا مطالعہ کر کے دیکھیے اور ان سے عبرت و ہدایت کے نسخے حاصل کیجیے۔

یاد رہے ''تواضع'' سے مراد دنیا دار عالموں، رئیسوں، نوابوں، شاعروں، اور تاجروں اور ظاہر پرستوں والی تواضع نہیں ہے، بلکہ وہ تواضع ہے جو ظاہری آداب کے ساتھ ساتھ باطنی اور اندرون قلب کے صاف وشفاف چشمہ سے پیدا ہوئی ہو، یہی تواضع مطلوب بھی ہے اور مقبول بھی۔

روایتی اور ظاہری تواضع تو ایک قسم کی عیاری، مکاری، جھوٹ اور نفاق سے بھرا ہو تکبر و معصیت کا پلندہ ہے، جس سے زیادہ تر شرور اور صفات بد ہی پیدا ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ ہماری اور آپ کی حفاظت فرمائے، جو لوگ اس قسم کی تواضع کے عادی ہیں وہ خاموش گناہوں کے مبلغ وداعی ہیں، مگر افسوس کہ انہیں اس کا علم بھی نہیں، اور یہ اس لئے ہوتا ہے کہ ہم میں سے بیشتر انسان اغیار کی طرح حد سے زیادہ غفلتوں کا شکار ہو چکا ہے، وہ تمام غفلتیں ہم پر بھی چھائی جا رہی ہیں، جن میں باطل قومیں مبتلا ہیں۔

بات چونکہ طویل ہوتی جا رہی ہے، اس لئے مختصراً عرض یہ ہے کہ گھر ہو، یا مجمع، مسجد ہو یا مدرسہ، اسکول ہو یا کالج، محلہ ہو یا شہر، اور حکومت کے مراکز ودفاتر، تمام جگہوں پر ہر شخص اس بات کی حتی الامکان کوشش کرے کہ خدا کی عطا کردہ اور پسندیدہ تواضع کی یہ دولت اس کے ہاتھ سے

چھوٹنے نہ پائے۔آپکا مخاطب اگر تکبر سے پیش آئے تو آپ اس سے ہمت کر کے تواضع سے پیش آئیں، ان شاء اللہ آپ اگر پورے اخلاص کے ساتھ رضائے الٰہی اور حفاظت دین کی خاطر یہ عمل کریں گے تو اس کی برکت سے اس کے دل میں بھی کچھ نہ کچھ تبدیلی آئیگی، اسلئے کہ آخر اس کے پاس بھی دل ہے، اور دلوں کا بدلنے والا اللہ ہے، چند دن آپ اس مخلصانہ تواضع کا اظہار کریں ان شاء اللہ ایک دن آئیگا کہ بہت حد تک اس کا دل بھی تواضع کی برکت سے فیضیاب ہو چکا ہوگا، اور کچھ نہ کچھ تواضع کا اظہار کرنا شروع کر دے گا، اس طرح آپسی اتحاد و اتفاق کا ماحول بنتا اور بڑھتا رہے گا، ہر شخص یہی طریقہ اپنائے، ان شاء اللہ عنقریب ایک دن ایسا آئیگا کہ آپ کی جماعت اگر چھوٹی بھی ہوگی تو بڑی جماعتوں سے زیادہ کام کر کے دکھلائے گی، آپ کی جماعت سے جتنا فائدہ قوم وطن کو ہوگا کسی اور جماعت سے نہیں ہوگا، اور جو زیادہ نافع ہوتا ہے اس کی محبت وعزت بھی زیادہ ہوتی ہے، اور جب دلوں میں کسی جماعت اور قوم کیلئے عزت پیدا ہو جائے تو پھر وہ سب سے زیادہ کامیاب، فاتح اور غالب جماعت ہے، اسکے سامنے تمام جماعتیں، تمام طاقتیں، تمام پارٹیاں اور تمام حکومتیں مغلوب اور بے معنیٰ ہیں، یہ ہوتا ہے حقیقی تواضع کا فائدہ۔عزت، رحمت،، برکت، محبت اور حکومت واقتدار سب کچھ نصیب ہوتا ہے، اور یہ سب کچھ تواضع کے حاملین کو ماضی میں حاصل ہو چکا ہے، اگر میری بات کی تصدیق کرنی ہوگی تو انبیاء کرام کی مبارک زندگیوں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور اولیاء کرام کی زندگیوں اور ان کی سیرتوں میں اس کو ڈھونڈ سکتے ہیں، اس کے بر خلاف تکبر سے گھر اجڑے گا، محلہ ویران ہوگا، شہر میں فساد برپا ہوگا، حکومت میں انتشار اور تماشہ ہوگا، اور پھر ہلاکت وتباہی اور ذلت وناکامی کے سوا کچھ بھی نہیں ملے گا، اسلئے اخیر میں اس آپسی اتحاد و اتفاق کے ماحول وفضا کو قائم اور مضبوط رکھنے کے لئے اپنے مشائخ میں سے دو حضرات کے ملفوظات کو نقل کرتا ہوں اللہ آپ کو اور مجھے بھی عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا: کہ ہمارے حضرت (حاجی صاحبؒ) مرشد فرمایا کرتے تھے کہ اتفاق کی بنیاد تواضع پر ہے، اسی طرح باہمی شقاق ونفاق کی

بنیاد کبر پر ہے، اجتہادی مسائل میں اختلاف رائے دوسری چیز ہے، وہ کبھی شقاق پر منتہی نہیں ہوتی، پھر فرمایا کہ الحمد للہ خانقاہ کے لوگوں میں باہمی کوئی اختلاف اور جھگڑا نہیں، سبب یہ ہے کہ سب میں تواضع ہے، ہر ایک دوسرے کو بڑا اور بہتر سمجھتا ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف و انتشار سے بچنے کا ایک نسخہ جو مجھے بہت پسند آیا آپ کی نذر کرتا ہوں قبول فرمائیں، بڑا فائدہ ہوگا، فرمایا: ایک نفس ہے اور ایک قلب، اگر کوئی نفس سے پیش آئے تو دوسرے فریق کو چاہئے کہ قلب سے جواب دے، یعنی نفس میں تو دشمنی اور ہنگامہ اور فتنہ ہوتا ہے، اور قلب میں سکون اور رضا اور مہربانی، پس جب کوئی نفس سے پیش آئے اور مقابل قلب سے جواب دے تو نفس مغلوب ہو جائے گا، البتہ اگر کوئی نفس کے مقابلے میں نفس ہی سے پیش آئے تو جھگڑے اور فتنے کی کیا حد ہوگی۔ (فوائد الفواد، ص/ ۳۴۵)

نفس میخواہد کہ تا ویراں کنند   خلق را گمراہ و سرگرداں کنند
نفس نتواں کشت الاظل پیر   دامن آں نفس کش راسخت گیر (رومی)

اس کتاب کی تالیف کا مقصد خود کتاب سے ہی واضح ہے، اس وقت اس موضوع پر قلم اٹھانے کی شدید ضرورت تھی، کیونکہ اس دور میں لوگ اتحاد و اتفاق کے عمل سے مایوس ہو چکے ہیں، اور اس زمانہ میں اس کا قیام ناممکن سمجھ لیا گیا ہے، حالانکہ یہ خدا کا حکم اور اہم فریضہ ہے، اس لئے میرے دل میں آیا کہ اس مایوسی کو ختم کرنے کی دواء کی جائے، جب آپ غور سے پڑھیں گے تو وہ دواء ان شاء اللہ مل جائے گی، اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ہماری اور آپ تمام حضرات کی ہدایت ونجات کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

(حضرت مولانا) **محمد علاء الدین صاحب قاسمی**
خانقاہ اشرفیہ و مکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور ضلع دربھنگہ (بہار)

۲۴ محرم الحرام بروز جمعہ، ۱۴۴۳ھ   مطابق ۳/ ستمبر ۲۰۲۱ء

اتحاد واتفاق کی اہمیت

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ۔(الصف/۴)

ترجمہ! جولوگ خدا کی راہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح صف بہ صف ہوکرلڑتے ہیں خداان سے محبت کرتا ہے۔

اتحادواتفاق میں ہی فائدہ ہےاختلاف سے سراسرنقصان ہے

اس وقت سب سے زیادہ سخت ضرورت باہمی اتفاق کی ہے،مگرافسوس ہے کہ مسلمانوں میں جہالت کے ساتھ نااتفاقی حددرجہ کی ہے۔اس حسد اور نااتفاقی کی بدولت (مسلمان) اپنا آپ نقصان کئے لیتے ہیں۔(الدعوۃ الی اللہ ص ۶۲)

یہ زمانہ آزادی وخودرائی کا ہے ہرشخص جداجدااسلام پرحملہ کرنے کوتیارہے،غیراسلام والے بھی اسلام پرحملہ کرتے ہیں،اورخوداہلِ اسلام میں بھی ایسےلوگ موجودہیں جواسلام پرحملہ کرتے ہیں اور یہ حملہ زیادہ مضر ہے کیونکہ غیراہل اسلام توصورۃً وحقیقۃً دونوں طرح مخالف ہیں ان کودشمن سمجھا جاتا ہےاوردشمن کی بات کازیادہ اثرنہیں ہوتااور یہ لوگ دشمن بصورت دوست ہیں ان کے جال سے بچنا مشکل ہے،اس واسطےضرورت ہے کہ سب مسلمان متفق ہوکر(دین کی ترقی کی) کوشش کریں،اب اختلاف کاوقت نہیں رہا۔(السوق الاہل الشوق ص ۳۷)

باہم اتحادواتفاق (ایسی ضروری چیز ہے کہ) ساری دنیااس کی دعوت دیتی ہےخواہ اس کی حقیقت سمجھتے ہوں یانہ سمجھتے ہوں لیکن اس پراتفاق ہے کہ اتفاق ضروری ہے،اورتمدن کے تمام اصول اس پرموقوف ہیں،تمدن کی کوئی اصل اس کے بغیر بارآورنہیں ہوسکتی،باہم اتحاد واتفاق (کاضروری ہونا) جس طرح قرآن وحدیث سے ثابت ہوتا ہےاسی طرح وہ تمدن کا

بھی مسئلہ ہے بلکہ تمدن پرستوں کے نزدیک تو تمدن کے تمام ہی مسائل کا وہی اصل الاصول اور بنیاد ہے، اور ان کا کوئی لکچر اور تقریر اس سے خالی نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ اتحاد و اتفاق ایسی شئی ہے کہ یورپ والوں کو دنیا کے لئے مطلوب ہے اور ہم کو دین کی وجہ سے مطلوب ہے۔ (الاتفاق ملحقہ آداب انسانیت ص ۴۲ ،ص ۴۳۸، التبلیغ ص ۶۷ ج ۱۳)

امت میں اختلاف کی ابتداء

امت میں اختلاف (فساد) کی بنیاد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعۂ قتل سے پڑی ہے، کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جب میری امت میں تلوار نیام سے باہر نکل جائے گی تو پھر قیامت تک نیام میں نہ ہوگی، علماء سلف نے تصریح کی ہے کہ اس کی ابتداء حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے ہوئی ہے، یہ پہلا واقعہ ہے کہ جس میں مسلمانوں کے اندر اختلاف ونزاع پیدا ہوا، اس کے بعد پھر اختلاف بڑھتا ہی گیا، کبھی کبھی انیس بیس کا تو فرق ہوا مگر (اختلاف) کا استیصال (بالکلیہ خاتمہ) کبھی نہیں ہوا۔

شاید کوئی کہے کہ جب حدیث شریف میں پیشین گوئی کی جاچکی ہے کہ (امت کی) یہ باہمی نااتفاقی کا مرض زائل نہ ہوگا تو پھر علاج کی کیا ضرورت؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کی پیشین گوئی کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ طبیب (ڈاکٹر) کو کسی خاص مریض کے متعلق معلوم ہو جائے کہ یہ پرہیز نہ کرے گا اس لئے پیشین گوئی کردے کہ یہ بیمار اچھا نہ ہوگا، مگر اس کی بد پرہیزی کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ اچھا نہ ہوگا۔

اور ایک صورت یہ ہے کہ مرض خود لاعلاج ہو، جیسے دق (ٹی بی کا مرض) جو درجہ چہارم میں (آخری درجہ کو) پہنچ جائے، سو یہاں پیشین گوئی دوسری صورت کی نہیں بلکہ پہلی صورت کی ہے، تو اس سے مرض کا لاعلاج ہونا اور علاج کا غیر نافع یا غیر ضروری ہونا لازم نہیں آتا۔

اور اس پیشین گوئی کی دوسری صورت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ تقسیم (جو اوپر کی گئی) امراض جسمانی ہی کے ساتھ خاص ہے کہ ان میں بعضے (امراض) خود لا علاج ہوتے ہیں اور بعضے بد پرہیزی سے خطرناک ہوجاتے ہیں، اور امراض نفسانی (وروحانی) میں یہ تقسیم ہی نہیں بلکہ یہاں سب امراض قابل علاج ہیں لاعلاج کوئی نہیں، بلکہ ایک حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ امراض جسمانیہ بھی فی نفسہٖ لاعلاج کوئی نہیں۔ گو اس مرض کے علاج تک ہماری رسائی نہ ہوئی ہو۔

الغرض امراض روحانی میں وہ تقسیم نہیں ہے بلکہ جملہ امراض روحانی کی دوا واقع میں بھی ہے اور ہم کو بتلائی بھی گئی ہے، یہاں کوئی مرض ایسا نہیں ہے جس کی دوا بتلائی نہ گئی ہو، سارا مطب مکمل ہے، اور مکمل کر کے ہی ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ'' نازل ہوا ہے۔ اگر کسی کا روحانی مرض لاعلاج ہوتا اور کوئی روحانی مریض مایوس العلاج ہوتا تو سب سے زیادہ مستحق اس کے وہ لوگ تھے جن کے بارے میں ''خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ'' نازل ہوا ہے (کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی) مگر ان کا کفر بھی فی نفسہٖ لاعلاج نہ تھا بلکہ ان لوگوں کے اختیار میں تھا اس طرح سے کہ ایمان لے آتے، گو ان کا ایمان نہ لانا حق تعالیٰ کو معلوم تھا، مگر اس سے ان لوگوں کا اختیار ختم نہیں ہوا (بلکہ ایمان لانے پر ان کو قدرت تھی) اور یہ پیشین گوئی ان کی اختیاری بد پرہیزی کی وجہ سے کی گئی ہے۔ (خلاصہ یہ کہ) ان کا ایمان نہ لانا ان کے اختیار سے ہوگا یہ مطلب نہیں کہ ان کو ایمان پر قدرت و اختیار ہی باقی نہیں رہا، خوب سمجھ لو۔

اس پر شاید کوئی یہ کہے کہ میں اس پیشین گوئی کے سچا کرنے کے لئے نا اتفاقی کرتا ہوں تا کہ اسکا مصداق موجود رہے، یہ غلط نہ ہوجائے، تو اس سے کہا جائے گا کہ آپ کو اس کے سچا کرنے کی ضرورت نہیں، تم کو اس کا مکلف نہیں کیا گیا، قیامت میں آپ سے یہ سوال ہرگز نہ ہوگا کہ تم نے ہماری پیشین گوئی سچا کرنے کا اہتمام کیا تھا یا نہیں، بلکہ وہاں تو آپ سے ان امور (باتوں) کا

سوال ہوگا جن کا حکم دیا گیا ہے، اور پیشین گوئی کے سچا کرنے کا آپ کو حکم نہیں دیا گیا، لہٰذا یہ جواب نہ سنا جائیگا، میں دنیا میں اس کی نظیر آپ کو دکھلاتا ہوں وہ یہ کہ پولیس میں مردم شماری کا تجربہ سے اوسط مقرر ہوتا ہے کہ اتنے آدمیوں میں اتنے بدمعاش اور جرائم پیشہ ضرور ہوتے ہیں، تو کیا کوئی مجرم مجسٹریٹ سے یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے تو جرم اس لئے کیا ہے کہ پولیس کا قاعدہ میں نے دیکھا تھا کہ بدمعاشوں کا اوسط اتنا ہے تو میں نے اس اوسط کو پورا کرنا چاہا تا کہ یہ قاعدہ غلط نہ ہوجائے اس لئے میں مجرم نہیں ہوں، بلکہ حقیقت میں سرکار کا خیر خواہ ہوں، تو کیا مجسٹریٹ اس کا یہ عذر سن لے گا؟ ہرگز نہیں بلکہ سرکاری وکیل فوراً کہے گا کہ نالائق کیا تیرا نام بھی اوسط میں لکھا ہوا تھا؟ پھر تو اس میں کیوں داخل ہوا، جی اوسط تو واقعہ ہے، قانون تو نہیں ہے، یہ مطلب تو نہیں کہ اوسط کو دیکھ کر خواہ مخواہ اس کے پورا کرنے کے لئے جرم کیا جائے، اسی طرح یہ پیشین گوئی حکم تکوینی ہے، حکم تشریعی نہیں ہے۔ (الانسداد ملحقہ آداب انسانیت ص ۳۸۶، ۳۸۷)

آپس کا اتحاد و اتفاق دین اور دنیا دونوں کیلئے بڑی نعمت ہے

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْكُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا۔ (پ ۴ آل عمران)

ترجمہ وتفسیر: اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا ہے اس کو یاد کرو جب کہ تم باہم دشمن تھے یعنی قبل اسلام کے، چنانچہ اوس وخزرج میں ایک طویل مدت سے جنگ چلی آتی تھی، اور عام طور پر اکثر عرب کے لوگوں کی یہی حالت تھی، پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں ایک دوسرے کی الفت ڈال دی سو تم خدا تعالیٰ کے اس انعام تالیف بین القلوب سے اب آپس میں بھائی بھائی کی طرح ہوگئے۔ یہ تو دنیوی نعمت ہے۔

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا۔ (پ ۴ آل عمران)

اور تم جہنم کے گڑھے کے کنارہ پر کھڑے تھے کہ جہنم میں جانے کے لئے صرف مرنے کی دیر تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اس سے بچا لیا۔

یہ دینی نعمت ہے، ان نعمتوں کو یاد کر کے ان کا شکر ادا کرو، اور شکر وہی ہے کہ حبل اللہ (یعنی اللہ کی رسّی کو) کو مضبوط پکڑ لو، تم ان انعاموں کی قدر کرو اور آپس کے جدال وقتال سے جو کہ معصیت ہے ان انعاموں کو ضائع مت کرو، کیونکہ اس جدال وقتال (لڑائی جھگڑے) سے انعامِ تالیف (اتحاد کا انعام) بالکل ہی زائل ہو جائے گا اور انعامِ اسلام مختل اور ناقص ہو جائے گا یہ بھی ایک گونہ ضائع ہونا ہے۔ (بیان القرآن ص ۴۴ ج ۱، آل عمران، الدوام علی الاسلام ملحقہ البدائع ص ۱۹۰ بدیعہ ۶۹)

آپسی اختلاف سے دین و دنیا دونوں میں نقصان اٹھانا پڑے گا

وَاَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَاتَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ :(پ۱۰ سورہ انفال)

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور باہم نزاع (جھگڑا) مت کرو، ورنہ باہمی نا اتفاقی سے کم ہمت ہو جاؤ گے کیونکہ قوتیں منتشر ہو جائیں گی، ایک کو دوسرے پر وثوق (اعتماد) نہ ہوگا، اور اکیلا آدمی کیا کر سکتا ہے، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، ہوا خیزی سے مراد بدرعبی ہے کیونکہ دوسروں کو اس نا اتفاقی کی اطلاع ہونے سے یہ امر لازمی ہے۔ (بیان القرآن ص ۴۴ ج ۴، انفال پ ۱۰)

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَاتَفَرَّقُوْا'' کہ اللہ کی رسّی کو (یعنی قرآن و احکام قرآن کو جس میں حدیث وفقہ بھی سب شامل ہیں، کیونکہ سب اسی ایک متن کی شروح ہیں) مضبوط پکڑ لو، اور آپس میں افتراق (اختلاف) نہ کرو، کیونکہ اس سے دین کو بھی سخت ضرر پہنچتا ہے جس کی بنا پر حدیث میں فساد ذات البین (آپسی اختلاف) کو حالقۃ (دین کو مونڈنے والا) فرمایا گیا ہے۔ (البدائع بحوالہ الدوام علی الاسلام ص ۱۷۷، بدیعہ ۶۹)

آپسی فساد سے دین کا بالکل صفایا ہو جاتا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (آپسی اختلاف اور) نااتفاقی کا نقصان بتلایا ہے،فرماتے ہیں:''ایاکم وفساد ذات البین فانہا ہی الحالقة''۔

یعنی اپنے کو باہمی فساد سے بچاؤ کیونکہ باہمی فساد مونڈنے والی چیز ہے،آگے فرماتے ہیں !

لاأقول تحلق الشعربل تحلق الدین ،میں یہ نہیں کہتا کہ اس کے سر کے بال منڈ جاتے ہیں بلکہ یہ کہتا ہوں کہ اس سے دین منڈ جاتا ہے،اور منڈنا کسے کہتے ہیں؟ منڈنا یہ ہے کہ خربوزہ کی طرح سر نکل آئے بال کا نشان تک نہ رہے تو حاصل یہ ہوا کہ آپسی فساد سے دین کا بالکل صفایا ہو جاتا ہے،اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نااتفاقی اور باہمی فساد کے نقصان کو بتلادیا اور واقعی اس سے زیادہ کیا نقصان ہوگا کہ اس سے دین کا بالکل صفایا ہو جاتا ہے۔(وعظ ارتباط ملحقہ ارشادات حکیم الامت ص ۵۰۷)

شاید کسی کو یہاں یہ شبہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس حدیث پاک میں دین کا ضرر بتلایا ہے سو اس سے دنیاداروں کو کیا خوف؟ تو سمجھ لیجئے کہ دین ایسی شئی نہیں ہے جس کے ضرر (نقصان) سے دنیا کا ضرر نہ ہو، دین کا نقصان وہ چیز ہے جو دنیا کے نقصان کا بھی ذریعہ ہے، کیونکہ گو دین کے ساتھ دنیا کم ملتی ہے مگر پرلطف ہوتی ہے،اور دین کے بغیر خود دنیا بے لطف ہے تو اس سے بڑھ کر کیا نقصان ہوگا۔(اصلاح ذات البین ملحقہ آداب انسانیت ص ۳۳۸)

اس وقت ساری دنیا اتفاق اتفاق پکار رہی ہے مگر اس کے جو اسباب ہیں ان سے بالکل ناواقفیت ہے،اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ ایک شخص چھت پر جانا چاہتا ہے مگر زینہ سے نہیں جانا چاہتا، اچک کر جانا چاہتا ہے اور ایک جست (چھلانگ) لگاتا ہے اور گر پڑتا ہے، اسی طرح پھر جست لگاتا ہے اور پھر گرتا ہے تو یہ شخص چھت پر کیوں نہیں پہونچا؟ اس لئے کہ اوپر جانے کا جو

طریق ہے اس سے نہیں گیا، اس نے اس پر عمل نہیں کیا، اسی واسطے شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی کہ مطلقاً اسباب چھوڑ دو بلکہ اس کا حکم کیا ہے کہ جس شئی کے جو اسباب پیدا کئے گئے ہیں اس کو ان ہی (اسباب کے ذریعہ) سے طلب کرو۔

ہمارے کاموں میں استقلال نہیں اس لئے اتحاد واتفاق میں بھی پائیداری نہیں

ایک اتحاد ہی کیا مجھے تو ایسی بدگمانی ہے کہ جب سنتا ہوں کہ مسلمانوں نے کوئی کام شروع کیا ہے تو سب سے پہلے یہ خیال ہوتا ہے کہ دیکھئے استقلال کے ساتھ چلے گا بھی یا نہیں، کیونکہ میں رات دن دیکھتا ہوں کہ نہ ہمارے کارخانے چلتے ہیں نہ انجمنیں نہ مدرسے، نہ اتحاد واتفاق، ہاں ایک چیز ہمیشہ چلتی ہے وہ کیا؟ جوتا اور لٹھ یہ ایک بار جہاں چلا پھر عمر بھر چلتا رہتا ہے چاہے اس کی بنیاد کیسی ہی کمزور ہو مگر شاخیں مضبوط ہو جاتی ہیں، جیسے عرب میں جاہلیت کے زمانہ میں ایک گھوڑ دوڑ ہوتی تھی جس میں ایک فریق کا گھوڑا آگے نکل گیا تو اسی بات پر صدیوں لڑائی رہی، ہماری حالت آج کل اہل جاہلیت کی حالت کے مشابہ ہے کہ ذرا سی بات پر جہاں جوتا چلا پھر وہ برسوں تک چلتا رہتا ہے، باقی اتحاد واتفاق اس کی عمر ہمارے یہاں بہت تھوڑی ہے گو لکچرار اتحاد قائم کرنے کی بہت کوشش کرتے رہتے ہیں اور اس پر تقریریں بھی بہت ہوتی ہیں مگر آج تک کسی نے اتحاد باقی رہنے کے اسباب نہیں بیان کئے اور نہ عدم بقاء کے اسباب (یعنی وہ اسباب جن سے اتحاد ختم ہو جاتا ہے ان اسباب) کو دور کیا، حالانکہ سب سے پہلے یہ مسئلہ قابل غور تھا۔ (الاخوۃ ص ۱۰۰ ج ۱۳)

ملاقات اور برتاؤ میں نرمی اختیار کرنے سے اتحاد ہوتا ہے

اتحاد واتفاق اچھی چیز (بلکہ بہت ضروری چیز) ہے اس کے حاصل کرنے کی تدبیریں کرنی

چاہئے، ایک دوسرے سے ملتے رہیں، اور باہم نرمی کا برتاؤ کریں (کیونکہ) نرم برتاؤ فی نفسہٖ بھی مامور بہ اور محمود ہے اور دونوں ہی (فریق) اس کے مخاطب ہیں، یہ سمجھ کر دونوں کو چاہئے کہ نرمی کا برتاؤ کریں (کیونکہ شریعت کا یہی حکم ہے) اور خلوص سے کام کریں، اگر ایک فریق نرم ہو جائے تو اس کا دوسرے پر بھی اثر ہوتا ہے اور وہ بھی نرم ہو جاتا ہے۔ ہر شخص خلوص سے کام کرے جس سے بھی جو کام دین کا ہو جائے اس کو غنیمت سمجھے، تزاحم (مقابلہ) کیوں کیا جاتا ہے۔ یہ صورت ہے اتحاد و اتفاق کی۔

اتحاد وہی باقی رہے گا جس کی بنیاد ایمان پر قائم ہو

حق تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (یعنی مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں) اس میں حق تعالیٰ نے حکم اخوت (یعنی بھائی ہونے کے حکم) کو صفت مؤمن پر مرتب فرمایا ہے اور اصول کا قاعدہ یہ ہے کہ جہاں کسی صفت پر حکم مرتب ہوتا ہے وہاں وہ وصف حکم کی علت ہوتا ہے، تو معلوم ہوا کہ ہم میں جو اخوت (اور بھائی چارگی) کا تعلق ہے اس کی علت ایمان ہے، اور وہی اخوت مطلوب ہے جس کی بنیاد ایمان پر ہو۔

صاحبو! آج کل جو اتحاد و اتفاق باقی نہیں رہتا اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد ایمان پر نہیں ہوتی بلکہ ہوائے نفس (یعنی نفسانی اغراض) اور معاصی پر ہوتی ہے اس لئے وہ بہت جلد ختم ہو جاتا ہے۔

اگر اتفاق کو باقی رکھنا چاہتے ہو تو اس کی بنیاد ایمان پر قائم کرو، مگر آج کل تو ایمان کو ایسی بے قدر چیز سمجھ رکھا ہے کہ اس کی کچھ وقعت ہی نہیں ہے، جس کام کی بنیاد ایمان پر رکھی جاتی ہے اس کے متعلق لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو مُلّا لوگوں کا کام ہے، چنانچہ آج کل زبانوں پر یہ بات بہت

کثرت سے ہے کہ یہ وقت نماز روزہ کا نہیں ہے اتحاد کا وقت ہے، اور جب کوئی اللہ کا بندہ اعتراض کرتا ہے کہ اتحاد کی وجہ سے احکام شرعیہ کو فوت کرنا جائز نہیں ہے تو نہایت بے باکی سے جواب دیا جاتا ہے کہ یہ وقت جائز نا جائز کا نہیں ہے کام کا وقت ہے۔ (اخوۃ ص ۱۰۸، ۱۰۹ التبلیغ ج ۱۳)

اتحاد واتفاق پیدا کرنے کا اصل طریقہ یہ ہے

حضرت حاجی (امداللہ) صاحب فرمایا کرتے تھے کہ لوگ اتفاق اتفاق پکارتے پھرتے ہیں مگر اتفاق کی جو اصل ہے اس سے بہت دور ہیں اتفاق کی اصل تواضع ہے، جن دو شخصوں میں تواضع ہوگی ان میں نا اتفاقی نہیں ہوسکتی اور تواضع کی ضد تکبر ہے، جہاں تکبر ہوگا وہاں اتفاق نہیں ہوسکتا، اب لوگ ہر بات میں تکبر کو اختیار کرتے ہیں اور زبان سے اتفاق اتفاق پکارتے ہیں تو اس سے کیا ہوتا ہے، اگر واقعی دونوں تواضع سے کام لیں تو اتفاق قائم رہے، اور تواضع جب ہوتی ہے جب کہ حبِّ مال وجاہ نہ ہو ، اور جہاں مال وجاہ کا دخل ہوگا وہاں تزاحم ضرور ہوگا، حُبِّ جاہ وحُبِّ مال (عزت اور مال کی محبت وخواہش) فساد کی جڑ ہے اگر یہ نہ ہو تو خدا کی قسم کبھی تزاحم نہ ہو۔ (السوق لاہل الشوق ص ۴۴)

آج کل جو تقریروں میں کہا جاتا ہے کہ اتفاق کرو، اتفاق کرو، اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ سب میرے ساتھ اتفاق کریں ہر شخص اپنی رائے پر اتفاق کی دعوت دیتا ہے، اور اس طرح قیامت تک اتفاق نہیں ہوسکتا، بلکہ اتفاق قائم کرنے کی صورت یہ ہے کہ ہر شخص اس بات کے لئے آمادہ ہو کہ اگر کوئی میری اتباع نہ کرے گا تو میں اس کی اتباع کروں گا، بشرطیکہ خلاف شرع کام نہ کرے، اتفاق کی جڑ تواضع ہے اس کے بغیر اتفاق نہیں ہوسکتا، اتفاق تو محض تواضع ہی سے ہوگا کہ ہر شخص دوسرے کی موافقت اور تقلید کے لئے تیار ہو ورنہ اتفاق دشوار ہے، اور اگر ہوا بھی تو محض زبانی اور کاغذی ہوگا۔ (الارتباط، ارشادات حکیم الامت ص ۵۰۷، ۵۱۱)

اختلاف اور نفرت کی بنیاد تکبر ہے، اختلاف ہمیشہ نفسانیت اور ترفع (یعنی اپنے کو برتر سمجھنے) سے ہوتا ہے ہمارے حضرت حاجی صاحب مرشدنا فرمایا کرتے تھے کہ اتفاق کی جڑ تو تواضع ہے، دو متکبروں میں کبھی اتفاق نہیں ہوتا، جب کسی شخص میں تواضع ہوتی ہے تو اس کو یہ مشکل معلوم نہیں ہوتا کہ اپنے آپ کو دوسرے کا تابع بنادے اور اپنی رائے پر دوسرے کی رائے کے مقابلہ میں اصرار نہ کرے اور متکبر سے یہ کام کبھی نہیں ہوتا۔

(خلاصہ یہ کہ) اتفاق کی جڑ تواضع ہے جو لوگ متواضع ہوں گے (ان میں) آپس میں نزاع (جھگڑا) ہو ہی نہیں سکتا۔ اور تواضع کے بغیر کبھی اتفاق پیدا نہیں ہوسکتا۔ (مجالس حکیم الامت ص ۲۸۷، ۹۸)

پس جو لوگ اتفاق کے طالب ہیں، اور میل جول کرنا چاہتے ہیں ان کو پہلے اپنے اندر تواضع پیدا کرنا چاہئے، اور تواضع حاصل کرنے کے لئے کسی کامل کے قدموں میں پامال ہونے کی ضرورت ہے، خلاصہ یہ کہ اتفاق کا مدار تواضع پر ہے اور تواضع موقوف ہے اصلاح نفس پر اور اصلاح نفس موقوف ہے شیخ کامل کی صحبت پر، یا کم از کم عدم انکار ہی ہو کہ ان کی غیبت وشکایت تو نہ کیا کرے۔ (اصلاح ذات البین، آداب انسانیت ص ۱۲۴، ۱۴۴)

تواضع کی حقیقت

اللہ کے واسطے تواضع اختیار کرنے کی حقیقت یہ ہے کہ حقیقت میں وہ شخص اپنے کو لاشئ سمجھے، اور سچ سمجھ کر تواضع کرے، اور اپنے کو رفعت (بلندی) کا اہل نہ سمجھے اور سچ مچ اپنے کو مٹانے کا قصد کرے۔

بخدا اقرار خطاء (یعنی اپنی غلطی تسلیم کرنے اور تواضع اختیار کرنے) سے اور عزت بڑھ جاتی ہے، کچھ نہ ہو تو یہ تو ضرور ہی ہے کہ اقرار خطاء میں خدا کی رضا ضرور ہے۔

اتحاد و اتفاق کی جڑ تواضع اور تواضع کی اصل مجاہدۂ نفس ہے کیونکہ تواضع اس کا نام نہیں کہ

زبان سے خاکسار، نیاز مند، ذرہ بے مقدار، (حقیر سراپا تقصیر) کہہ دیا بلکہ تواضع یہ ہے کہ اگر کوئی تم کو ذرہ بے مقدار، اور خاکسار سمجھ کر برا بھلا کہے، اور حقیر و ذلیل کرے تو تم کو انتقام کا جوش پیدا ہو اور (اس وقت تم) نفس کو یوں سمجھا لو کہ تو واقعی ایسا ہے، پھر کیوں برا مانتا ہے، اور کسی کی برائی سے کچھ رنج واثر ہی نہ ہو تو یہ تواضع کا اعلیٰ درجہ ہے کہ مدح وذم (یعنی تعریف اور برائی سب) برابر ہو جائے، مطلب یہ کہ عقلاً برابر ہو جائے، کیونکہ طبعاً تو مساوات ہو نہیں سکتی۔

کسی متواضع سے کبھی کوئی بات تکبر کی نکل جائے تو یہ مضر نہیں، ہاں اس کے افعال اور احوال میں زیادہ غلبہ تواضع کو ہونا چاہئے۔

جس جگہ زیادہ تواضع کرنے سے دوسرے کو تکلیف ہوتی ہو وہاں قصداً اتنی تواضع نہ کرو۔

تواضع اختیار کرنے کا طریقہ

محققین کا قول ہے کہ تم یہ سمجھ کر تواضع اختیار کرو کہ حق تعالیٰ کی عظمت کا حق یہی ہے کہ ان کے سامنے ہر شخص پستی اور تواضع کو اپنی صفت بنائے، اور اپنے کو لاشئ محض سمجھے، اس پر حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو اس طرح تواضع اختیار کرے گا ہم اس کو رفعت (عزت) عطا فرمائیں گے، لیکن تم رفعت (وعزت) کی نیت سے تواضع نہ اختیار کرو، گو ایک گونہ رفعت (عزت) اس طرح بھی حاصل ہو جائے گی کیونکہ تواضع میں خاصیت ہے گو کسی نیت سے ہو کہ وہ قلوب کو کشش کرتی ہے، مگر اس صورت میں حقیقی رفعت یعنی حق تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضامندی حاصل نہ ہو گی۔ (انفاس عیسیٰ ص ۲۷۵)

ایک بزرگ کے تواضع کی حکایت

اہل اللہ کے تواضع کے واقعات بہت ہی دلکش ہیں، دیکھئے ان واقعات میں کیسی دلکشی ہے، ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ کسی نے ان کی دعوت کی اور کہہ دیا کہ فلاں وقت مکان پر تشریف لے

آیئے گا چنانچہ جب وہ وقت پر آئے تو داعی نے کہا کیوں آئے؟ کیسے آئے؟ فرمایا: بھائی تم نے دعوت بھی کی تھی، کہا: کس نے دعوت کی تھی؟ خوامخواہ لوگوں کے سر ہوتے پھرتے ہو، یہ سن کر وہ بیچارے لوٹ چلے تو وہ کہتا ہے کہ جاتے کہاں ہو، ہم نے تو دعوت کی تھی تم نخرے کرتے ہو، وہ پھر واپس چلے آئے تو کہنے لگا سبحان اللہ! آپ تو کھانے کیلئے ہاتھ دھوئے پھرتے ہیں وہ بیچارے پھر لوٹنے لگے تو کچھ دور جانے کے بعد کہتا ہے عجیب آدمی ہو ہم نے تو تمہاری دعوت کی تھی میاں چلے جا رہے ہیں کئی بار ایسا کیا وہ بار بار چلے جاتے تھے اور چلے آتے تھے، اخیر میں وہ پیروں میں گر پڑا (اور کہا) کہ حضرت میں تو دیکھنا چاہتا تھا (کہ آپ میں صبر وحلم کتنا ہے) پس میں نے آزمالیا کہ واقعی آپ بزرگ ہیں، فرمایا: میاں اس سے دھوکہ نہ کھانا، بزرگی تو وہ ہے جو انسان کے اوصاف میں ہو، اور جو بات تم نے میرے اندر دیکھی ہے یہ صفت تو کتے کے اندر بھی ہے کہ دھمکا دو تو چلا جائے گا اور روٹی دکھلا دو تو آجائے گا۔ یہ بات پہلے سے بھی زیادہ تواضع کی ہے۔ (الاخوۃ، التبلیغ ص ۸۳)

علماء کے باہمی اختلاف کی وجہ سے سارے علماء سے بدگمانی صحیح نہیں

اختلاف کی دو قسمیں ہیں ایک اختلاف محمود اور ایک اختلاف مذموم، اختلاف محمود وہ ہے جو صاحب حق کو صاحب باطل سے ہو۔ اور مذموم وہ ہے جو اہل باطل کو صاحب حق سے ہو۔ پھر علماء کے اختلاف میں یہ اقسام کیوں جاری نہیں کی جاتیں، یہاں اختلاف ہو تو دونوں جماعتوں کو کس لئے مجرم قرار دیا جاتا ہے؟ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ سے کسی کا اختلاف ہو وہاں تو دو قسمیں نکل آئیں اور علماء کے اختلاف ایک ہی قسم میں داخل ہو۔ پس جہاں حق متعین ومعلوم ہو، وہاں تو اہل باطل کو اتفاق پر مجبور کرنا چاہئے کہ تم اہل حق سے نزاع نہ کرو جی سے حاکم ایک فریق کو دوسرے فریق کی بات ماننے پر مجبور کیا کرتا ہے۔ اور اگر وہ حاکم کا فیصلہ ماننے سے انکار کرے تو پھر خود سرکار اس

فریق کی مخالف اور مقابل بن جاتی ہے اور گو ظاہر میں یہ بھی اختلاف ہے مگر اس پر ہزار اتفاق قربان ہیں کیونکہ یہ اختلاف احداث نزاع (جھگڑا پید کرنے) کے لئے نہیں بلکہ رفع اختلاف (یعنی اختلاف کو ختم کرنے) کے لئے ہے۔

اسی طرح مسلمانوں کو کرنا چاہئے کہ جہاں علماء میں اختلاف ہو اور ایک جماعت کا حق پر ہونا معلوم ہو وہاں اہل باطل کو اہل حق کے راستہ پر آنے کے لئے مجبور کریں اور اگر وہ نہ مانیں تو سب مل کر ان کی مخالفت کریں اور جہاں حق معلوم نہ ہو وہاں کسی کو بھی مجبور نہ کریں بلکہ پہلے حق کی تحقیق کریں۔ قاعدہ عقلیہ کا مقتضی یہی ہے۔ یہ کیا واہیات ہے کہ جہاں دو مولویوں میں اختلاف دیکھا اور لگے دونوں کو برا کہنے۔

لوگ آج کل اتفاق اتفاق تو پکارتے ہیں مگر اس کی حدود کی رعایت نہیں کرتے بس اتنا یاد کر لیا ہے کہ قرآن میں حکم ہے لَا تَفَرَّقُوْا افتراق نہ کرو، مگر اس سے پہلا جملہ نہیں دیکھتے، وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا کہ اس میں اللہ کے راستہ پر قائم رہنے کا پہلے حکم ہے اس کے بعد ارشاد ہے کہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ (اللہ کی رسی یعنی اللہ کے حکم) پر متفق ہو کر اس سے تفرق (اختلاف) نہ کرو تو اب مجرم وہ ہے جو حبل اللہ سے الگ ہو۔ اور جو حبل اللہ پر قائم ہے وہ ہرگز مجرم نہیں گو اہل باطل سے اس کو ضرور اختلاف ہوگا۔

پس یاد رکھو! کہ نہ اختلاف مطلقاً مذموم ہے جیسا کہ ابھی ثابت کیا گیا اور نہ اتفاق مطلقاً محمود ہے، بلکہ وہ اتفاق محمود ہے جو حبل اللہ کے اعتصام پر ہو ورنہ کفار نے بھی تو بت پرستی پر اتفاق کیا تھا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں: وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کہ تم لوگوں نے حیات دنیا میں اتحاد اور دوستی قائم کر کے چند بتوں کو معبود بنا لیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کفار میں اتحاد واتفاق تھا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس اتفاق کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ دوسرے مقام پر اس کا بھی ذکر ہے: قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ إِبْرَاهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ إِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَداً الآية ۔(سورۃ الممتحنۃ پ ۲۸)

ترجمہ: تمہارے لئے ابراہیم اوران کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ ہمارے تم سے اور اللہ کے سوا تم جن جن کی عبادت کرتے ہو ان سے کوئی تعلق نہیں ہے ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے دشمنی اور بغض پیدا ہو گیا ہے۔

باطل پر اتحاد جائز نہیں، حق پر اتحاد صحیح

ابراہیم علیہ السلام نے اس اتفاق کی جڑیں اکھاڑ دیں اور اہل باطل سے صاف صاف بیزاری کا اعلان کر دیا اور فرمادیا کہ قیامت تک کے لئے ہمارے اور تمہارے درمیان عداوت وبغض قائم ہو گیا، معلوم ہوا کہ اہل باطل کے ساتھ اس طرح اتفاق کرنا محمود نہیں کہ وہ اپنے باطل پر جمے رہیں اور اسی حالت میں ہم ان سے اتفاق کرلیں، بلکہ اس صورت میں تو ان سے بیزاری اور اختلاف وعداوت رکھنا ہی مطلوب ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کے ماننے والوں نے کیا اور انہی کی اقتداء کا حق تعالیٰ ہم کو حکم فرمارہے ہیں۔

مگر آج کل تو لوگ ایسا اتفاق چاہتے ہیں جیسا کہ نعمان خاں نے اتفاق کرنا چاہا تھا، یہ ایک ان پڑھ شخص ہیں مگر اہل کتاب سے مناظرہ کا بہت شوق تھا، ایک دفعہ کوئی پادری کہہ رہا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام اندھوں کو سوانکھا کرتے

تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اندھے کو سوانکھا نہیں کیا، نعمان خاں نے جواب دیا کہ لاؤ یہ تو میں کردوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو بڑی چیز ہیں، وہ پادری یک چشم تھا۔ کہنے لگا اچھا تم میری دونوں آنکھوں کو برابر کردو۔ اب آپ نے کہا کہ نبی اور امتی میں کچھ فرق ہونا چاہئے نبی تو دوسری آنکھ کو بینا کر کے دونوں کو برابر کرتے مگر میں یہ کرسکتا ہوں کہ تندرست آنکھ کو بھی پھوڑ دوں اس سے بھی دونوں برابر ہوجاویں گی اور اس کے بعد اس کی آنکھ میں انگلی دینے لگے کہ بولو پھوڑ دوں، اس سے مجمع کو ہنسی آگئی اور پادری کی تقریر کا رنگ اکھڑ گیا اور یہ حضرت جیت گئے، گو بات بے ڈھنگی تھی، مگر آج کل مناظرہ میں ایسے ہی لوگ اچھے رہتے ہیں کیونکہ آج کل جیتنے اور ہارنے کا مدار اس پر ہے کہ مجلس پر کسی کا اثر جم جائے اور مقابل کا رنگ اکھڑ جائے، چاہے بات معقول ہو یا نامعقول ہو۔

جس طرح مولوی نعمان خاں نے اس پادری کی دونوں آنکھیں برابر کرنا چاہی تھی اسی طرح آج کل لوگ اہل حق و اہل باطل میں یوں اتحاد کرانا چاہتے ہیں کہ اہل حق بھی اپنی آنکھوں کو پھوڑ کر کانے لوگوں کے برابر ہوجائیں۔ حالانکہ مقتضائے عقل یہ تھا کہ کانوں سے یہ کہا جاتا کہ تم اپنی ایک آنکھ بنوا کر سوانکھوں میں داخل ہوجاؤ۔

اگر نزاع و اختلاف مطلقاً مذموم ہے اور اہل حق کو بھی اہل باطل کے ساتھ اتحاد پر مجبور کیا جاسکتا ہے تو کیا نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بھی موجب اختلاف شمار کیا جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی تعلیم و تبلیغ سے تمام عرب میں ہل چل مچادی، اس دعویٰ کے اظہار سے پہلے مذہباً تمام اہل عرب متحد تھے مگر دعویٰ توحید کے بعد سب میں پھوٹ پڑگئی مگر یہ اختلاف محمود تھا کیونکہ ابطال باطل پر تھا۔

معلوم ہوا کہ نہ اختلاف مطلقاً مذموم ہے نہ اتفاق مطلقاً محمود ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اختلاف کا لفظ نہیں اختیار فرمایا، کیونکہ اختلاف ہر حالت میں ممنوع و موجب

ملامت نہیں بلکہ آپ نے لفظ فساد اختیار فرمایا کہ آپس میں بگاڑ و فساد ڈالنے سے بچو اور فساد کا مصداق وہی امر ہے جو خلاف شرع اور معصیت ہو، فساد میں محمودیت کا احتمال نہیں ہوسکتا وہ تو ہمیشہ مذموم ہی ہوگا۔ خواہ اس کا مصداق اتفاقِ خلاف شرع ہو یا نا اتفاقی ہو لفظ فساد دونوں کو عام ہے صرف نا اتفاقی اور اختلاف ہی کے ساتھ خاص نہیں۔ پس اب ان لوگوں کو احتجاج کا موقع نہیں رہا جو اختلاف کو مطلقاً مذموم کہتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ ہی کو اختیار نہیں فرمایا۔ بلکہ فساد فرمایا ہے تو مذمت کے قابل وہ شخص ہے جو مفسد ہو اور مفسد وہ ہے جو شریعت سے ہٹا ہوا ہے اور شریعت پر قائم رہ کر جو کوئی دوسروں سے اختلاف کرے وہ مفسد ہرگز نہیں گو اختلاف اور مخالفت کرنے والا ہے۔ اور اگر کسی روایت میں بجائے فساد کے اختلاف کا لفظ وارد ہوا ہو تو بقاعدہ الاحادیث یفسر بعضہا بعضاً ان سے مطلق اختلاف مراد نہ ہوگا، بلکہ خاص وہ اختلاف مراد ہوگا جو فساد میں داخل ہو۔ (وعظ اصلاح ذات البین ملحقہ آداب انسانیت ص ۳۳۸)

صحابہ کرامؓ کا باہمی اتحاد اور اتفاق رائے کا اہتمام کرنا، اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف دعوت دینے، اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے میں آپس کے اختلاف اور جھگڑے سے بچنے کا اہتمام کرنا

ابنِ اسحاق سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے سقیفۂ بنی ساعدہ والے دن بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بات جائز نہیں ہے کہ مسلمانوں کے دو امیر ہوں، کیوں کہ جب بھی ایسا ہوگا مسلمانوں کے تمام کاموں اور تمام اَحکام میں اختلاف پیدا ہو جائے گا، اور اُن کا شیرازہ بکھر جائے گا، اور اُن کا آپس میں جھگڑا ہو جائے گا، اور پھر سُنّت چھوٹ جائے گی اور بدعت غالب آجائے گی، اور بڑا فتنہ ظاہر ہوگا اور کوئی بھی اسے ٹھیک نہ کر سکے گا۔

حضرت سالم بن عبیدؓ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کے بارے میں روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس موقع پر اَنصار میں سے ایک آدمی نے کہا: ایک امیر ہم (اَنصار) میں سے ہو اور ایک امیر آپ (مہاجرین) میں سے ہو۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: ایک نیام میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک مرتبہ بیان میں فرمایا: اے لوگو! (اپنے امیر کی) بات ماننا اور آپس میں اِکھٹے رہنا اپنے لیے ضروری سمجھو، کیوں کہ یہی چیز اللہ کی وہ رسی ہے جس کو مضبوطی سے تھامنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور آپس میں جڑ مل کر چلنے میں جو ناگوار باتیں تمہیں پیش آئیں گی وہ تمہاری ان پسندیدہ باتوں سے بہتر ہیں جو تم کو الگ چلنے میں حاصل ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے جو چیز بھی پیدا فرمائی ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک انتہا بھی بنائی ہے جہاں وہ چیز پہنچ جاتی ہے۔ یہ اسلام کے ثبات اور ترقی کا زمانہ ہے، اور عنقریب یہ بھی اپنی انتہا کو پہنچ جائے گا، پھر قیامت کے دن تک اس میں کمی زیادتی ہوتی رہے گی۔ اور اس کی نشانی یہ ہے کہ لوگ بہت زیادہ فقیر ہو جائیں گے اور فقیر کو ایسا آدمی نہیں ملے گا جو اس پر اِحسان کرے اور غنی بھی یہ سمجھے گا کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کے لیے کافی نہیں ہے، یہاں تک کہ آدمی اپنے سگے بھائی اور چچا زاد بھائی سے اپنی فقیری کی شکایت کرے گا لیکن وہ بھی اسے کچھ نہیں دے گا، اور یہاں تک کہ ضرورت مند سائل ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک ہفتہ بھر مانگتا پھرے گا لیکن کوئی بھی اس کے ہاتھ پر کچھ نہیں رکھے گا۔

اور جب نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی تو زمین سے ایک زوردار آواز اس طرح نکلے گی کہ ہر میدان کے لوگ یہی سمجھیں گے کہ یہ آواز اُن کے میدان سے ہی نکلی ہے۔ اور پھر جب تک اللہ چاہیں گے زمین میں خاموشی رہے گی۔ پھر زمین اپنے جگر کے ٹکڑوں کو باہر نکال پھینکے گی۔ ان سے پوچھا گیا: اے حضرت ابو عبدالرحمن! زمین کے جگر کے ٹکڑے کیا چیزیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: سونے اور چاندی کے ستون۔ اور پھر اس دن کے بعد سے قیامت کے دن تک سونے اور چاندی سے کسی طرح کا نفع نہیں اُٹھایا جا سکے گا۔

اور حضرت مُجالدؒ کے علاوہ دیگر حضرات کی روایت میں یہ مضمون ہے کہ رشتہ داریوں کو توڑا جائے گا یہاں تک کہ مال دار کو صرف فقیری کا ڈر ہوگا، اور فقیر کو کوئی آدمی ایسا نہ ملے گا جو اس پر احسان کرے۔ اور آدمی کا چچازاد بھائی مال دار ہوگا اور وہ اس سے اپنی حاجت کی شکایت کرے گا لیکن وہ چچازاد بھائی اسے کچھ نہیں دے گا۔ اس کے بعد والا مضمون ذکر نہیں کیا۔

ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت ابوذرؓ کو دینے کے لیے ایک چیز اُٹھا کر لے چلے۔ اُن کے مقام رَبَذہ پہنچ کر ہم نے ان کے بارے میں پوچھا تو وہ ہمیں وہاں نہ ملے اور ہمیں بتایا گیا کہ انھوں نے (امیر المؤمنین سے) حج پر جانے کی اجازت مانگی تھی ان کو اجازت مل گئی تھی (وہ حج کرنے گئے ہوئے ہیں)۔ چناں چہ ہم وہاں سے چل کر شہرِ منیٰ میں ان کے پاس پہنچے۔ ہم لوگ اُن کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے ان کو بتایا کہ (امیر المؤمنین) حضرت عثمانؓ نے (منیٰ میں) چار رکعت نماز پڑھی ہے۔ تو انھیں اس سے بڑی ناگواری ہوئی اور اس بارے میں انھوں نے بڑی سخت بات کہی اور فرمایا: میں نے حضور ﷺ کے ساتھ (یہاں منیٰ میں) نماز پڑھی تھی تو آپ نے دو رکعت نماز پڑھی تھی، اور میں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کے (ساتھ) یہاں نماز پڑھی تھی (تو انھوں نے بھی دو دو رکعت نماز پڑھی تھی)۔ لیکن جب نماز پڑھنے کا وقت آیا تو حضرت ابوذرؓ نے کھڑے ہو کر چار رکعت نماز پڑھی۔ (حضرت عثمانؓ نے مکہ میں شادی کرلی تھی اور مکہ میں کچھ دن رہنے کا ارادہ کرلیا تھا اس لیے وہ مقیم ہوگئے تھے اور چار رکعت نماز پڑھ رہے تھے۔

اس پر اُن کی خدمت میں کہا گیا کہ امیر المؤمنین کے جس کام پر آپ اعتراض کر رہے تھے اب آپ خود ہی اسے کر رہے ہیں؟ فرمایا: امیر کی مخالفت کرنا اس سے زیادہ سخت ہے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ہم لوگوں میں بیان فرمایا تھا تو ارشاد فرمایا تھا کہ میرے بعد بادشاہ ہوگا تم اسے

ذلیل نہ کرنا، کیوں کہ جس نے اسے ذلیل کرنے کا ارادہ کیا اس نے اِسلام کی رسی کو اپنی گردن سے نکال پھینکا۔ اور اس شخص کی توبہ اس وقت تک قبول نہ ہوگی جب تک وہ اس سوراخ کو بند نہ کردے جو اس نے کیا ہے (یعنی بادشاہ کو ذلیل کر کے اس نے اِسلام کو جو نقصان پہنچایا ہے اس کی تلافی نہ کرلے)۔ اور وہ ایسا کر نہ سکے گا اور (اپنے سابقہ رویہ سے) رجوع کر کے اس بادشاہ کی عزّت کرنے والا نہ بن جائے۔

حضرت قتادہ؆ فرماتے ہیں کہ حضورِ اَقدس ﷺ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر؆ مکہ اور منیٰ میں دو رکعت قصر نماز پڑھا کرتے تھے اور اسی طرح حضرت عثمان؆ نے بھی اپنی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں دو ہی رکعت نماز پڑھی، لیکن بعد میں چار رکعت پڑھنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود؆ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے کہا: إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ (لیکن جب نماز پڑھنے کا وقت آیا) تو انھوں نے کھڑے ہوکر چار رکعت نماز پڑھی، تو ان سے کہا گیا کہ (چار رکعت کی خبر پر تو) آپ نے۔ اناللّٰہ پڑھی تھی اور خود چار رکعت پڑھ رہے ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: امیر کی مخالفت کرنا اس سے زیادہ بُری چیز ہے۔

حضرت علی؆ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ تم ویسے ہی فیصلے کرتے رہو جیسے پہلے کیا کرتے تھے، کیوں کہ میں اختلاف کو بہت بری چیز سمجھتا ہوں۔ یا تو لوگوں کی ایک ہی جماعت رہے یا میں مرجاؤں جیسے میرے ساتھی (حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان؆ بغیر اختلافات کے) مر گئے۔ چناں چہ حضرت ابنِ سیرین؆ کی رائے یہ تھی کہ (غلو پسند) لوگ حضرت علی؆ سے عموماً جو روایات نقل کرتے ہیں وہ غلط ہیں۔

حضرت سُلیم بن قیس عامری بیان کرتے ہیں: ابنِ کوّاء نے حضرت علی؆ سے سُنّت اور بدعت اور اِکٹھے رہنے اور بکھر جانے کے بارے میں پوچھا تو حضرت علی نے فرمایا: اے ابنِ کوّاء! تم نے

سوال یاد رکھا اب اس کا جواب سمجھ لو۔ اللہ کی قسم! سنّت تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے، بدعت وہ کام ہے جو اس طریقہ سے ہٹ کر ہو۔ اور اللہ کی قسم! اہلِ حق کا اکٹھا ہونا ہی اصل میں اکٹھا ہونا ہے چاہے وہ تعداد میں کم ہوں، اور اہلِ باطل کا اکٹھا ہونا حقیقت میں بکھر جانا ہے چاہے وہ تعداد میں زیادہ ہوں۔ (حیاۃ الصحابہ اردو جلد 2/ص 31،32،33)

امت کو قرآن سے جوڑیں اور اتحاد کی دعوت دیں

سیرتِ شیخ الہندؒ کا تیسرا بہت فکر انگیز اور سبق آموز پہلو ''امت کو قرآن سے جوڑنے اور وحدت کی لڑی میں پرونے'' کا وہ مبارک جذبہ ہے جو ان کے سینے میں موجزن تھا، مالٹا سے رہائی کے بعد ایک رات دارالعلوم دیوبند میں بعد عشاء علماء کے بڑے مجمع کے سامنے آپ نے اپنا یہی جذبہ پیش کرتے ہوئے فرمایا:

''ہم نے مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں، میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں، تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے، ایک ان کا قرآن چھوڑ دینا، دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی، اس لئے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآنِ کریم کو لفظاً و معناً عام کیا جائے، بچوں کے لئے لفظی تعلیم کے مکاتب بستی بستی قائم کئے جائیں، بڑوں کو عوامی درس کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیم پر عمل کے لئے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے''۔ (وحدتِ امت، از: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ۵۰، تذکرے، از: حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مد ظلہم ۲۰۴)

امت کی عظمت رفتہ اور وقار گذشتہ کی بحالی اور بازیابی کا یہ دو نکاتی فارمولہ تھا جو شیخ الہند جیسے نباض ملت نے تجویز کیا تھا، اور پھر خود اس سمت میں محنت شروع کر دی تھی، اور دوسرے

لفظوں میں امت کو اور بطور خاص اپنے خلف کو یہ پیغام دیا تھا کہ ان دونوں محاذوں پر اولین توجہ کے ساتھ سرگرمی بڑھائی جائے۔

علماء کو چاہئے کہ اتحاد بین المسلمین کیلئے ہر ممکن کوشش کریں

عالم دین تفرقہ نہیں ڈالتا، بلکہ اپنے علم کے ذریعے لوگوں کے درمیان اختلافات اور جھگڑوں کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے علم سے لوگوں کو فائدہ پہنچنا چاہیے اور ایک فائدہ جو پوری قوم کو پہنچ سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے درمیان پائے جانے والے شکوک وشبہات اور غلط فہمیوں کو مضبوط دلائل کے ذریعے مٹائے تا کہ مسلمانوں کے درمیان اتّحاد قائم ہو جائے۔

مسجدوں میں پیش نماز، نماز جمعہ میں امام جمعہ اور مختلف مقامات پر علماء طبقہ کو چاہیے کہ لوگوں کی بصیرت افزائی کریں اور اسلام کے فروغ اور مسلمانوں کے درمیان اتّحاد کے لئے مشترکہ متفق علیہ نکات کو بیان کرتے ہوئے لوگوں کے ذہن کو پاکیزہ کریں تا کہ مختلف مذاہب کے لوگ ایک دوسرے کو اپنا اسلامی بھائی سمجھیں۔

علماء کو چاہیے کہ مختلف مذاہب کے مشترکہ اصول اور فروع بیان کریں تا کہ مسلمانوں کے دلوں کو ایک دوسرے کے قریب کریں اور نیز مسلمانوں کو دشمن کے ہتھکنڈوں سے مطلع کریں کہ مختلف مذاہب کے درمیان اختلاف اور تفرقہ ڈالنے کے لئے دشمن طرح طرح کی سازشیں کرتا ہے، لہذا مسلمانوں کو ہوشیار رہنا چاہیے اور دشمن کے خلاف آواز اٹھانی چاہیے نہ کہ اسلام مذہب کے خلاف، کیونکہ مسلمان تو ان کے بھائی ہیں اور یہ بعض شکوک وشبہات مسلمانوں کے اختلاف کے لئے دشمن نے پھیلائے ہیں۔

آپسی اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان امیر اور دولت مند ہونے کے باوجود ہر جگہ ذلیل ورسوا ہے

تاریخ اس بات پر شاہد عدل ہے کہ قوموں کے عروج وزوال، اقبال مندی وسر بلندی، ترقی و تنزلی، خوشحالی وفارغ البالی اور بدحالی کے تقدم وتخلف میں اتحاد واتفاق، باہمی اخوت وہمدردی اور آپسی اختلاف وانتشار، تفرقہ بازی، اور باہمی نفرت وعداوت میں اتحاد واتفاق کلیدی رول آدا کرتا ہے۔اور آج کے دور میں مسلمان جس قدر ذلیل وخوار اور رسوا ہے شاید اس سے پہلے کسی دور میں رہا ہو اور جتنا کمزور آج کا مسلمان ہے شاید ہی اتنا کمزور کبھی رہا ہو۔یہی وجہ ہے کہ آج کے دور میں مسلمانوں کی بین الاقوامی طور پر کوئی اہمیت نہیں ہے اور دنیا کی تمام قومیں مسلمانوں پر پل پڑی ہیں۔ ہر جگہ انہیں ہراساں کیا جارہا ہے، ان کی عزت وناموس محفوظ نہیں ہے، ان کے املاک تباہ و برباد کئے جارہے ہیں، بہت سارے ممالک میں انہیں تہ وتیغ کیا جارہا ہے جن میں قابل ذکر فلسطین، عراق، سوریا، حلب اور میانمار ہے۔وطن عزیز میں بھی مسلمانوں کو مختلف اوقات میں مختلف طریقے سے ہراساں وپریشاں کیا جاتا ہے کبھی شریعت میں ردوبدل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو کبھی گائے کے نام پر معصوم لوگوں کونشانہ بنایا جاتا ہے اور کبھی اسلامی قلعے مدارس ومساجد کی طرف انگشت نمائی کی جاتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ہماری ایسی درگت کیوں ہورہی ہے، ہمیں ہر طرف سے دبانے کی کوشش کیوں کی جارہی ہے۔ اس کے اسباب ووجوہات کیا ہیں جب کہ اللہ نے مسلمانوں کوان کے گناہوں اور معصیتوں کے باوجود بہت ساری نعمتوں سے نواز رکھا ہے اور یہ نعمتیں مختلف انواع واقسام کی ہیں جیسے اللہ نے مسلمانوں کو زراعتی، حیوانی، آبی، معدنی غرضیکہ ہر قسم کے ثروت ودولت سے نوازا ہے، پیٹرول کا ایک وافر مقدار مسلمانوں کے پاس موجود

ہے، مسلمانوں کی تعداد بھی ایک عرب سے زائد ہے، ساٹھ کے قریب اسلامی ممالک ہیں اوران کا محل وقوع بھی بہت اہم ہے، اہم آبی گزرگاہیں مسلمانوں کے پاس ہیں۔ پھر مسلمان اتنا بے بس، مجبور، کمزور، ذلیل کیوں ہیں ان کے خون کی قیمت پانی سے بھی ارزاں کیوں ہے؟

ان کے متعدد وجوہات ہو سکتے ہیں مگر ان میں سب سے اہم اور اصل وجہ آپسی اختلاف و انتشار اور تفرقہ بازی ہے یہی وہ بیماری ہے جس نے آج مسلمانوں کو مفلوج کرر کھا ہے اور جس کی وجہ سے آج اغیار ہم پر غالب ہوتے جارہے ہیں۔ ہمیں اپنے اسلاف سے اتحاد اتفاق اور باہمی یکجہتی کی جو میراث ملی تھی ہم نے اسے پس پشت ڈال دیا ہے اوراس کے برعکس آج دوسری قومیں متحد و متفق ہوکر اپنے جائز و ناجائز مقاصد کے حصول میں کوشاں نظر آرہی ہیں۔

مسلمانوں میں اتحاد کیوں نہیں ہوتا آخر کیا وجہ ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ آج مسلمانوں میں فرقہ بندی ،طبقاتی ،علاقائی ،وطنی ذات برادری کا تعصب اس قدر جڑ پکڑ گیا ہے کہ اس نے ایک دوسرے کی اچھی خصوصیات کو بھی تسلیم کرنے سے روک دیا ہے اور معاشرتی طور پر بھی مل بیٹھ کر مفاہمت کے کسی قضیہ اور مسئلہ کے حل کے سبھی دروازے بند کرر کھے ہیں۔ آج اگر ہم اقوام عالم خاص طور پر یوروپ وامریکہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ کس طرح متحد ہورہے ہیں، ناٹو یوروپی یونین وغیرہ بلاک بنارہے ہیں، یہود ونصاریٰ اور دنیا کی دیگر قومیں کس طرح متحد ہوکر اور اشتراکی حیثیت سے گروپ کی شکل میں پوری دنیا، خاص طور پر مسلمانوں پر شکنجہ کستے رہتے ہیں۔ اگر ان قوموں کے ماضی کی طرف نظر دوڑائیں تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے کبھی تعصّبات وتنفرات کی تمام حدیں پار کردی تھیں اور دنیا پر دو عالم گیر جنگیں تھوپ دی تھیں، ملک کے ملک تباہ کردیئے تھے جن کے اندر عصبیت کے اتنے رنگ تھے یعنی انگریز ،فرانس، جرمن، پرتگال، ڈچ، آرین، غیر آرین، سامی، غیر سامی کالے اور گورے کا فرق، ایشین وغیر ایشین

کا فرق آج یہ سبھی قومیں متحد ہو رہی ہیں اور جس قوم وملت کے سچے رسول پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے کالے اور گورے کا فرق، عربی وعجمی کا فرق، امیر وغریب کا فرق سب ختم کر دیا ہو اور جن کے پاس نازل ہونے والی کتاب کی تعلیم ہو:

اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْباً وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ (الحجرات:۱۳)

''بے شک ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور قبیلوں اور جماعتوں میں بانٹ دیا تا کہ تمہارا آپسی تعارف آسان ہو جائے، ہاں تم میں سب سے عزت والا وہی ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرتا ہو''۔

قرآن کریم نے صاف صاف بتلا دیا کہ قبیلہ وخاندان میں تقسیم کرنے کی اصل بنیاد کیا ہے ایک دوسرے پر تفاخر نہیں اپنے سے کم مرتبے والے اور کم نسب والے آدمی پر فخر کرنا نہیں ہے کہ میں تو فلاں خاندان وقبیلہ سے تعلق رکھتا ہوں میرا حسب ونسب بہت اونچا ہے تو گھٹیا اور ذلیل خاندان کا آدمی ہے۔ خاندان وقبیلہ میں بانٹنے کا مقصد اصل ایک دوسرے کا تعارف اور پہچان ہے۔ تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکیں، فقط حسب ونسب وقبائلی شرافت کوئی اہمیت کی چیز نہیں۔ اللہ کے یہاں دلوں کا تقویٰ دیکھا جاتا ہے جو دل اللہ سے ڈرنے والا اور نیک راہ پر گامزن ہوگا وہی اللہ کے نزدیک زیادہ باعزت ہوگا۔

اتحاد واتفاق کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کیلئے مندرجہ ذیل آیات قرآنی میں غور کریں

قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلاَّ وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ ۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلاَ تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَا ءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ اِخْوَاناً ، وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِنْهَا ، كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۔(آل عمران،پ:۴)

(ترجمہ) اے ایمان والواللہ سے اس طرح ڈروجیسا کہ ڈرنے کا حق ہے،اور بجز اسلام کے کسی اور حالت میں جان مت دینا، اور باہم سب مل جل کر اتفاق کے ساتھ اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو، نا اتفاقی اور اختلاف مت کرو، اور تم پر جو اللہ کا انعام ہے اس کو یاد کرو، (ایک وقت وہ تھا) کہ تم دشمن تھے پس اللہ نے تمارے قلوب میں الفت ڈال دی، پس تم اللہ کے اس انعام سے بھائی بھائی ہو گئے، اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارے تھے سو اس سے خدا تعالی نے تمہاری جان بچائی، اس طرح اللہ تعالی تم لوگوں کے لئے اپنے احکام بیان کر کے بتلاتے رہتے ہیں تا کہ تم لوگ راہ راست پر رہو۔

آیت کا شان نزول:

اس کا شان نزول یہ ہے کہ شماس بن قیس ایک بہت کینہ پرور آدمی تھا اس نے اوس اور خزرج کے دو قبیلوں کو باہم متحد اور ملے جلے ایک جگہ دیکھا بس حسد کی وجہ سے جل گیا کہ کل تک یہ دونوں لڑتے رہے اور صدیاں ان کی لڑائی میں گذریں، اور اب مسلمان کیا ہو گئے کہ سب چیزیں ختم کر دیں، اس نے ایک چال چلی اور لڑائی والے سارے واقعات کو بیان کرنا شروع کیا، پچھلی باتیں جب یاد آئیں تو پھر آپس میں تلواریں میان سے نکل آئیں اور قریب تھا کہ پھر جنگ شروع ہو جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا آپ تشریف لے گئے اور ان کو سمجھایا، ان کو تنبہ ہوا، اور توبہ کی، اور ایک دوسرے سے گلے لگ کر بہت روئے۔

اس آیت پر ہمارا کہاں تک عمل ہے؟ کیا ہم کو جیسا اللہ سے ڈرنا چاہئے ویسا ہی ڈر رہے

ہیں؟ اللہ سے ڈرنے والوں کا یہی حال ہوتا ہے جو ہمارا ہے؟ کیا ہمارا عمل یہی ثابت کرتا ہے کہ ہم اسلام ہی پر مرنا چاہتے ہیں؟ ہماری یہ بداعمالیاں اسلام کو صحیح سلامت لے جانے دیں گی؟ کیا واقعی ہم مل جل کر اور متفق ہو کر اللہ کی رسی کے ساتھ اپنے کو وابستہ کئے ہوئے ہیں؟ کیا اللہ کا انعام ہم یاد کرتے ہیں؟ اللہ کی نعمتیں یاد کرنے والوں کی ایسی ہی زندگی ہوتی ہے؟

اللہ پاک کی آیات اور احکام پر ہم چل کر ہدایت حاصل کرر ہے ہیں؟ کیا ہدایت پر رہنے والوں کے یہی آثار ہوتے ہیں؟

اگر ایسا نہیں اور واقعی یہی بات ہے کہ آیت کے مقتضیٰ سے ہماری زندگی کوری ہے تو پھر مسلمان ہونے کے ناتے سے ہم کو اپنی زندگی میں تبدیلی کرنی چاہئے، یا نہیں؟

ایک جگہ ارشاد ہے، وَلاَ يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ، وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوىٰ وَلاَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ، وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۔(مائدۃ، پ:٦)

(ترجمہ) اور دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم کو کسی قوم سے جو اسی سبب سے بغض ہے کہ انہوں نے تم کو مسجد حرام سے روک دیا تھا وہ تمہارے لئے اس کا باعث ہو جائے کہ تم حد سے نکل جاؤ، اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی اعانت کیا کرو، اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، احکام کی مخالفت کرنے والوں کے لئے بلا شبہ اللہ تعالی سخت سزا دینے والے ہیں"۔

دیکھئے وہ بغض جس کا سبب دین ہو (یعنی بُغض ایمانی) اس میں زیادتی اور ظلم سے روکا گیا ہے اور انصاف کی تعلیم دی گئی ہے، گناہ اور زیادتی میں اعانت اور طرفداری کی ممانعت کی گئی ہے، تو پھر بُغض نفسانی میں یہ چیزیں کیسے جائز ہوں گی۔

ایک اورآیت یاد آئی فرمایا: اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ، اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا۔(بنی اسرائیل،پ:۱۵)

بیشک شیطان (سخت کلامی کراکے) لوگوں میں فساد ڈلوادیتا ہے، واقعی شیطان انسان کا صریح دشمن ہے۔

اس میں لڑائی جھگڑے کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے کہ یہ کام شیطان کراتا ہے، اور شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے، تو جس کو اللہ پاک نے دشمن کہا ہے، اس کے ساتھ ہمارا اتنا میل کہ وہ جو کچھ کہے ہم کو انکار نہیں، جو کام ہم سے لینا چاہے ہم ایک مطیع غلام کی طرح اس کے بجالانے کے لئے ہر وقت تیار، اور جس سے اللہ نے مل جل کر رہنے کا حکم دیا ہے اس سے بیزار اور دشمنی، یہ کیسا قلب موضوع ہے؟ کیا یہ چیز ہم کو مسلمان باقی رکھے گی؟ ڈرنے کا مقام ہے، کیا مسلمان ہو کر ایسی ہی زندگی ہونی چاہئے۔

اخوت وہمدردی اوراتحادواتفاق قائم ایسے ہوگا

(۱) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد) فرمایا کہ مسلمانوں کو آپس میں اس طرح رہنا چاہئے جیسے جسم کے اعضاء کہ ایک کو اگر کسی قسم کا دکھ اور تکلیف ہوتی ہے تو دوسرا عضو بے قرار ہو جاتا ہے۔

(۲) ایک جگہ فرمایا کہ جب تک تم مؤمن نہ ہوگے جنت میں داخل نہ ہوسکوگے، اور جب تک آپس میں محبت نہ رکھوگے مؤمن نہیں ہوسکتے۔

(۳) فرمایا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہے، اور مؤمن وہ ہے جس کی طرف سے اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں لوگوں کو کوئی خطرہ نہ ہو۔

(۴) ایک جگہ تین مرتبہ قسم کھا کر فرمایا کہ جس کی وجہ سے پڑوسی کو تکلیف ہو وہ مؤمن نہیں۔

(۵) اور ارشاد فرمایا اپنے پڑوسی کے ساتھ تم اچھا سلوک کرو تب تم ایمان والے کہلاؤگے۔

(۶) ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ اپنے پڑوسیوں کو نہ ستائے۔

(۷) ایک اور حدیث میں فرمایا تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے وہی نہ چاہئے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔

ان احادیث کی روشنی میں ہم اپنے کو پرکھیں کیا ہم مسلمان آپس میں ایسے ہی رہتے ہیں کہ ایک کی بے چینی اور دوسرے کا آرام ختم کردے؟ اور ہم اس کی پریشانی اور تکلیف کو دور کرنے کے لئے بے چین ہو جائیں؟ کیا ہمارا تعلق محبت کا ہے؟ کیا ہماری زبان اور ہمارے ہاتھوں سے مسلمانوں کی عزت نہیں ختم ہورہی؟ کیا ہمارا ایمان ان لوگوں کی جان اور مال کی پاسبانی کررہا ہے؟ کیا ہمارے پڑوسیوں کو ہم پر اعتماد حاصل ہے؟ ان کے ساتھ ہم خیر خواہی کا معاملہ کرتے ہیں؟ کیا پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کا ہم معاملہ کرتے ہیں؟ کیا ہم اپنے لئے جو پسند کرتے ہیں وہی دوسرے کے حق میں بھی چاہتے ہیں؟ اگر ایسا نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر ہم کو اپنے بارے میں سمجھ لینا چاہئے کہ ہمارا کیا حشر ہوگا، اور ہم کس گھاٹ اتارے جائیں گے، ذرا سی کوئی بات ہوئی ہم دین و دیانت، ایمان سب چھوڑ دیتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو پسِ پشت ڈال کر خوب خوب نفسانی جذبات سے کھیلتے ہیں، ہمارے لئے ذرا سی بات ایک فتنہ کا ذریعہ بن جاتی ہے، بالکل اندھے ہوکر انجام اور آخرت کو فراموش کرکے مُسخرہ شیطان بن جاتے ہیں، نہ قرآن اور حدیث کی پرواہ رہتی ہے اور نہ کسی ناصح کی نصیحت کارگر ہوتی ہے؟ برسوں کی گذری ہوئی باتیں ہمارے لئے نئی ہوجاتی ہیں، کیا ہماری پارٹی اور طاقت ہم کو خدا کے عذاب سے بچائے گی؟ (تحفہ مدارس، ص/422)

آپسی اختلاف کو حل کرنے کا آسان اور بہترین راستہ یہی ہے

ایسی حالت میں یہ نہ دیکھنا چاہئے کہ تمہارے ساتھ کیا ہوا، یہ دیکھنا چاہئے کہ ہم کو کیا کرنا

چاہئے، اللہ اور اس کے رسول نے کیا سبق دیا ہے، اسوہ حسنہ کیا کہتا ہے، اگر یہ سوچ لیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے تو سچ کہتا ہوں کہ ایسی زندگی اللہ نصیب فرمادیں گے جس کے لئے برسوں لوگ مجاہدہ کرتے ہیں، اسی چیز کو اللہ پاک اپنے بندوں میں دیکھنا چاہتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی کرکے دکھایا ہے، مکی زندگی، ہجرت، طائف، غزوات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہم کو کیا سبق دیتے ہیں، فتح مکہ کے بعد جب مجرمین سامنے کھڑے کئے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا، سب کا قصور معاف کردیا یا نہیں۔

مؤمن کے دل میں اللہ نے بڑی وسعت دی ہے، وہ یہاں بدلہ نہیں لیتا بلکہ قصوروار کا قصور معاف کرکے اللہ کے یہاں بہت بڑے انعام کو حاصل کرتا ہے، اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے، وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلاَ تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ، مطلب یہ کہ تم میرے بندوں کا قصور معاف کردو میں تمہارے قصور کو معاف کردوں گا، کیا یہ سودا تم کو پسند نہیں؟

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صِلْ مَنْ قَطَعَکَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَکَ وَاَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَاءَ اِلَیْکَ۔

(ترجمہ) جو تم سے قطع تعلق کرے تم اس سے تعلق پیدا کرو، تم پر جو ظلم کرے اس کو معاف کردو، تمہارے ساتھ جو بدسلوکی کرے تم اس کے ساتھ اچھے سلوک کا معاملہ کرو۔

ان آیات اور احادیث پر کون عمل کرے گا، ہم ایمان لانے کے بعد اور اللہ اور رسول سے رشتہ جوڑنے کے بعد اتنا بھی نہیں کرسکے، لعنت ہے ایسی عزت پر جس کے آگے اللہ پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی عزت نہ باقی رہے، اور تف ہے ایسی زندگی پر جس میں اسوہ نبی پر عمل نہ ہو، کیا یہی منھ لے کر حضور کے سامنے جائیں گے۔

جو ناپاک منصوبے تیار کئے ہیں ان پر عمل کرنے کے بعد کیا اطمینان اور چین نصیب ہوجائے گا؟ کیا یہی دنیا ہمارے لئے دوزخ نہ ہوجائے گی؟۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات جن پر دل سے عمل کرنے سے اتحاد واتفاق قائم رہتا ہے ورنہ اختلاف وفساد ہوتا ہے

(۱)عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیؓ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهَ صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ : مَنْ رَأیَ مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرَه‘ بِیَدِہٖ ، فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذَالِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ۔(مسلم وترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ اگر تم میں سے کوئی کسی غلط کام کو دیکھے تو اسکو اپنے ہاتھ سے بدل دے، اور اگر یہ نہ کر سکے تو اپنی زبان سے اس کو بدل دے، اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اپنے دل سے اس کو برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمتر درجہ ہے۔

(۲) عَنْ اَبِیْ اَمَامَةَ " اِذَارَأَیْتُمْ اَمْراً لاَ تَسْتَطِیْعُوْنَ غَیْرَہ‘ فَاصْبِرُوْا حَتّٰی یَکُوْنَ اللّٰهُ هُوَالَّذِیْ یُغَیِّرُہ‘‘‘ (الکبیر، جمع الفوائد)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی ایسی چیز دیکھو کہ جس کو تم بدلنے پر قادر نہ ہو تو صبر کرو حتیٰ کہ اللہ ہی اس کو بدل دے۔

(۳) عَنْ وَاثِلَةَ بِنِ الاَسْقَعِ قلت : یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! مَاالْعَصَبِیَّةُ ؟ " قَالَ اَنْ تُعِیْنَ قَوْمَکَ عَلَی الظُّلْمِ ‘‘(ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت واثلہ بن الاسقع فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! عصبیت کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا عصبیت یہ ہے کہ تم اپنی قوم کا ظلم پر ساتھ دو اور مدد کرو۔

(۴) خَیْرُکُمْ الْمُدَافِعُ مِنْ عَشِیْرَتِهٖ مَالَمْ یَأثَمْ۔(ابوداؤد)

ترجمہ: فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو کہ اپنے خاندان کی طرف سے مدافعت کرے، مگر بہتری اسی وقت تک ہے جب تک کہ (اس مدافعت میں ایسا کوئی کام یا بات نہ کرے کہ) اس کی وجہ سے گناہ میں پڑے۔ (ماخوذ از بوادر النور، رسالہ احکام الائتلاف فی احکام الاختلاف)

(۵) عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَةَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ : " اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ وَلاَ تَجَسَّسُوْا وَلاَتَحَسَّسُوْا وَلاَتَنَاجَشُوْا ، وَلاَ تَحَاسَدُوْا وَلاَ تَبَاغَضُوْا وَلاَ تَدَابَرُوا وَکُوْنُوْا عِبَادَاللّٰہِ اِخْوَانًاوَفِیْ رِوَایَۃٍ وَلاَتَنَافَسُوْا'' (متفق علیہ مشکوٰۃ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرمایا'' بدگمانی سے بچو، بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے (کسی کی) ٹوہ میں مت رہو، جاسوسی مت کیا کرو، ایک کو دوسرے کے خلاف مت بھڑکاؤ، آپس میں حسد نہ کرو ایک دوسرے سے بغض نہ کرو، اور نہ قطع تعلق کرو اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو اور ایک روایت میں ہے کہ (دنیوی امور میں) ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو۔

(٦) عَنْ اَبِیْ صِرْمَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ : " مَنْ ضَارَّضَارَّ اللّٰہُ بِہٖ وَمَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللّٰہُ بِہٖ۔ (ابن ماجہ، ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوصرمہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی دوسروں کو نقصان پہونچاتا ہے اللہ اس کو نقصان میں ڈالتا ہے اور جو دوسروں کو مشقت میں ڈالتا ہے اللہ اس کو مشقت میں ڈالتے ہیں۔

(۷) عَنْ اَبِیْ بَکْرِنِ الصِّدِّیْقِ قَالَ : قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ " مَلْعُوْنٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِنًا اَوْمَکَرَبِہ'' (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوبکرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرمایا جو آدمی کسی مومن کو نقصان پہونچائے یا اس کے ساتھ دھوکہ دہی کا معاملہ کرے وہ ملعون ہے۔

(۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ: "لَمَّا عَرَجَ بِیْ رَبِّیْ مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَھُمْ اَظْفَارٌ مِنْ نُحَاسٍ یَخْمِشُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَصُدُوْرَھُمْ فَقُلْتُ : مَنْ ھٰؤُلَاءِ ؟ یَاجِبْرَئِیْلُ ! قَالَ ھٰؤُلَاءِ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ لُحُوْمَ النَّاسِ وَیَقَعُوْنَ فِیْ اَعْرَاضِھِمْ ٭ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھ کو جب حق تعالیٰ نے معراج میں بلایا تو میرا گذر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے تانبے کے ناخون تھے جن سے وہ اپنے چہروں کو نوچ رہے تھے اور اپنے سینوں کو بھی، تو میں نے کہا: اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو دوسروں کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کی آبروں کے پیچھے پڑتے ہیں یعنی ان کی غیبت و برائیاں کرتے ہیں۔

(۹) عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ : " اِعتَلَّ بَعِیْرٌ لِصَفِیَّۃَ وَعِنْدَ زَیْنَبَ فَضْلُ ظَھْرٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِزَیْنَبَ : " اَعطِھَا بعیرًا فَقَالَتْ : اَنَا اُعْطِیَ تِلْکَ الْیَھُوْدِیَّۃَ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَھَجَرَہَا ذَالْحِجَّۃِ وَالْمُحَرَّمَ وَبَعْضَ صَفَرٍ"۔ (ابوداؤد و مشکوٰۃ)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ حضرت صفیہ کا ایک اونٹ بیمار ہو گیا اور حضرت زینب کے پاس زائد سواریاں تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ صفیہ کو ایک اونٹ دیدو، کہا میں اس یہودیہ کو دوں گی؟ تو آپ نے ناراض ہو کر دو ماہ سے زائد عرصہ تک ان کو چھوڑے رکھا۔

(۱۰) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ:

لَاتُوْذُوا الْمُسْلِمِیْنَ وَلَا تُعَیِّرُوْہُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِہِمْ فَاِنَّہٗ مَن یَّتَّبِعُ عَوْرَۃَ اَخِیْہِ الْمُسْلِمِ یَتَّبِعُ اللّٰہَ عَوْرَتَہٗ یَفْضَحَہٗ وَلَوْفِیْ جَوْفِ رَحْلِہ ۔

ترجمہ: ارشاد نبوی ہے مسلمانوں کو تکلیف مت پہونچاؤ اور نہ ان کو عار دلاؤ اور نہ ان کی

مخفی چیزوں کے در پے ہو، اس لئے کہ جو آدمی اپنے بھائی کی پوشیدہ چیزوں (عیوب وغیرہ) کے پیچھے پڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی پوشیدہ چیزوں کے در پے ہو کر اس کو رسوا کرتا ہے اگر چہ وہ اسے اپنے گھر کے اندر چھپ کر کرے۔ (ماخوذ از بوادر النوادر، ص ۱۷۶ رسالہ احکام الائتلاف فی احکام الاختلاف)

(۱۱) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للمؤمن علی المؤمن ست خصال یعودہٗ اذامرض ، ویشہدہ اذامات ، ویجیبہٗ اذادعاہ ، ویسلم علیہ اذالقیہ ، ویشمتہ اذا عطس وینصح لہٗ اذاغاب اوشہد۔ (نسائی شریف)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مومن کے لئے مومن کے ذمہ چھ حق ہیں (۱) جب وہ مریض ہو تو اس کی عیادت کرے (۲) اور جب انتقال ہو جائے تو اس کے جنازہ پر حاضر ہو (۳) اور جب دعوت کرے تو قبول کرے (بشرطیکہ کوئی عذر نہ ہو) (۴) اور جب وہ ملے تو سلام کرے (۵) اور جب وہ چھینکے تو الحمد للہ کہے تو سننے والا یرحمک اللہ کہے (۶) اور وہ غائب ہو یا حاضر ہر حال میں اس کی خیر خواہی کرے۔ (نسائی خطبات الاحکام ص ۴۱)

دوست کیسا ہو؟

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ ان کے پاس ان کے ایک دوست آئے اور اپنی ایک ضرورت بیان کی، وہ بزرگ اندر گئے اور ان کی ضرورت کے مطابق لا کر حوالہ کر دی، پھر بیٹھ کر رونے لگے، ان کی بیوی نے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ آپ رو رہے ہیں، اگر پیسے کی اتنی ہی محبت تھی، تو آپ نے اپنے دوست کو دیا ہی کیوں؟ دے کر اب روتے بیٹھنا تو اچھا نہیں۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ میں اس لیے نہیں رو رہا کہ پیسے چلے گئے؛ بلکہ اس لیے رو رہا ہوں کہ اپنے دوست کی خبر گیری میں نے کیوں نہ کی؟ اور ان کو مانگنے سے پہلے میں نے کیوں نہیں دے دیا؟۔

اختلاف کے باوجود بے نظیر اتحاد

حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ میں بعض مسائل کا اختلاف رہا ہے؛ مگر ایک دوسرے

کے احترام میں کبھی فرق نہیں آیا، کون نہیں جانتا کہ خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے مسئلے میں صحابۂ کرام میں شدید اختلاف ہوا اور اس کی بنا پر جنگ بھی ہوئی؛ مگر کیا مجال کے ان کے اس اختلاف سے ایک دوسرے کے احترام میں فرق آجائے۔ چناں چہ عین جنگ کے موقعے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو روم کی عیسائی سلطنت کی طرف سے جس کا سربراہ ''قیصر'' تھا خط ملا۔ اس میں لکھا تھا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ کے امیر (حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے آپ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا اور تم پر ظلم کر رہے ہیں، اگر آپ چاہیں؛ تو ہماری فوج آپ کی مدد کو بھیج دیں گے۔ اگر ہم آپ اس جگہ ہوتے، تو مخالف کی توہین و تذلیل اور اس کو شکست دینے کے لیے فوج منگوا لیتے۔ (واقعات پڑھیے عبرت لیجیے، ص/305)

مگر گوش ہوش سے سننے کے قابل ہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیصر روم کا جواب یہ دیا:

''اے نصرانی کتے! تو ہمارے اختلاف سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے؟! یاد رکھ اگر تو نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف ترچھی نگاہ سے بھی دیکھا، تو سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کا سپاہی بن کر تیری آنکھ پھوڑنے والا میں ہوں گا۔''

ایسے سینکڑوں واقعات ہیں، یہاں مثال کے طور پر ایک نقل کیا گیا ہے، غرض یہ ہے کہ امت کے اتحاد کے لیے لازم ہے کہ وہ ایک دوسرے کا احترام اور اکرام کریں اور اپنے اختلافات کو حدود سے آگے نہ بڑھنے دیں اور آپس میں حسنِ سلوک کا معاملہ کریں۔

نماز وروزہ کے اہتمام سے بھی اتحاد واتفاق اور محبت بڑھتی ہے

اب رہی یہ بات کہ ایمان اور نماز روزہ کو محبوبیت میں کیا دخل ہے؟ سو اس کے متعلق سنو

کہ قاعدہ عقلیہ ہے کہ کوئی بھی کام ہو پہلے اس کا قلب میں ارادہ پیدا ہوتا ہے، پھر اس کا جوارح سے ظہور ہوتا ہے، اور یہ بھی مسلم ہے کہ کسی امر پر نباہ (اور پابندی) اس کے بغیر نہیں ہوسکتی کہ قلب میں اس کا شدید تقاضا راسخ ہو جائے، اور اس کے اضداد وموانع (یعنی مخالف اسباب) قلب سے دور ہو جائیں ورنہ غیر راسخ ارادہ ہوگا، اور جب ارادہ راسخ (اور پختہ) نہ ہوگا تو عمل بھی نہ ہوگا، پس ثابت ہوا کہ مداومت (پابندی) اور استقامت قلب کے تقاضے کے بغیر نہیں ہوتی، پس اس قاعدہ کے موافق اخلاق ومعاملات ومعاشرت کی درستگی بھی (جس کا دخیل ہونا محبوبیت میں مسلم ہو چکا ہے) اسی وقت ہوسکتی ہے کہ ان چیزوں کا قلب میں تقاضا ورسوخ ہو اور وہ تقاضا ورسوخ ایمان ونماز اور روزہ کے بغیر نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ معاملات ومعاشرت کے تمام قواعد اللہ ورسول ہی نے ہم کو تعلیم فرمائے ہیں تو جب تک اللہ ورسول کی تصدیق قلب میں راسخ نہ ہوگی تو ان تعلیمات پر استقامت نہ ہوگی یہ تو ایمان کا دخل ہوا۔

اور (محبوبیت میں) روزہ نماز کو اس طرح دخل ہے کہ قلبی تقاضے کی یہ کیفیت قلب کی صفائی پر موقوف ہے اور قلب کی صفائی بغیر نماز روزہ کے نہیں ہوتی، روزہ تو اس طرح کہ اس سے قوت بہمیہ ٹوٹتی ہے، اور نماز سے تواضع پیدا ہوتی ہے، تکبر ٹوٹتا ہے، اور بہت سے اخلاق ذمیمہ کی اصل تکبر اور قوت بہمیہ ہی ہے، پس نماز روزہ سے اس کی اصلاح ہوگی، اور اس کی اصلاح سے معاملات وغیرہ درست ہوں گے جو محبوبیت کا مدار ہے، پس نماز روزہ بھی محبوبیت کا سبب ہوا۔ (الاتفاق، آداب انسانیت ص ۴۶۱)

قلبی اتحاد کی برکت دیکھئے اس لئے دل سے متحد ہوئے

کسی گاؤں میں ایک قابل ذکر بات یہ سامنے آئی کہ یہ سارا علاقہ پنج وقتہ نماز کی جماعت اور

جمعہ کی جماعت میں تو متحد ہے، ایک امام کے پیچھے، ایک مسجد میں ساری نمازیں ادا کی جاتیں، مگر عیدین کی نماز ایک کے بجائے دو جگہ پڑھتے، اور معلوم ہوا کہ اس کا سلسلہ ایک عجیب وغریب جھگڑے سے شروع ہوا۔ ایسا جھگڑا جس کی نظیر اس سے پہلے کبھی نہیں سنی تھی، وہ یہ کہ آج سے کم ازکم سو ڈیڑھ سو سال پہلے علاقے کے لوگ عیدین کے لئے اکٹھا ہوئے تو کچھ لوگ جو پنج گانہ نمازوں کے پابند تھے وہ خود اگلی صف میں کھڑے ہوئے اور بے نمازیوں کو اپنے ساتھ صف میں کھڑے ہونے اجازت نہ دی، اس کی وجہ سے نمازیوں اور بے نمازیوں میں سخت افتراق پیدا ہو گیا، اور بے نمازیوں نے اپنی عیدگاہ الگ کر لی اور اس طرح کچھ عرصے تک سال بھر کے نمازی الگ عید کی نماز پڑھتے اور دوسرے لوگ الگ، کچھ مدت گذرنے کے بعد الگ الگ آبادیوں کی عیدگاہیں ہو گئیں، اور اس بنیاد پر ایک بدمزگی کی کیفیت مستقل رہنے لگی، بعد میں مختلف لوگوں نے عید کی نماز کو متحد کرنا چاہا مگر اختلاف کی جڑیں اتنی مضبوط تھیں کہ کوشش بسیار کے بعد بھی اتحاد پیدا نہ ہو سکا۔ ۱۵/رمضان المبارک کے بعد میرے سامنے بھی یہ مسئلہ شدت سے ابھرنے لگا، کئی حضرات نے مجھ سے نہایت دردمندی کے ساتھ اس مسئلے کو ذکر کیا کہ سال میں یہ دو خوشی کے مواقع ایسے آتے ہیں جن میں دلوں کا سکون درہم برہم ہو جاتا ہے، آپ کو یہ سارا علاقہ ماننے لگا ہے اگر آپ کی فہمائش سے یہ اختلاف دور ہو جائے تو بہت مبارک ہوگا، میں نے اس سلسلے میں محنت شروع کر دی، لیکن اندازہ ہوا کہ جھگڑے کا یہ جن آسانی سے لوگوں کے سروں سے اترنے والا نہیں ہے۔

یہ زمانہ برسات کا تھا، مگر بارش نہیں ہو رہی تھی، کھیتیاں سوکھی جا رہی تھیں، اس علاقے میں بارش کے علاوہ آب پاشی کا اور کوئی ذریعہ نہیں، پہاڑی زمین ہونے کی وجہ سے ہینڈ پائپ اور ٹیوب ویل کا کوئی نظم نہ تھا، چند ایک کنویں تھے جن سے لوگ پانی پینے کا انتظام کرتے تھے، اور دو ایک تالاب تھے جن میں لوگ نہاتے اور کپڑے دھوتے، سینچائی کے لئے صرف بارش کا

سہارا ہوتا، مگر بارش مطلق نہیں ہو رہی تھی ، اس لئے خلقت پریشان تھی ، میں نے نمازِ استسقاء اور دعاء واستغفار کے لئے کئی مرتبہ لوگوں کو اکٹھا کیا، مگر بظاہر ہر اجتماع ناکام رہا اور دعا نامراد رہی۔ بارش نہ ہونی تھی اور نہ ہوئی ، جن لوگوں کے دلوں میں بدگمانی کی خلش تھی انھوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ فلاں مولوی کی نحوست سے بارش بند ہے، اس افواہ سے مجھے قلبی صدمہ ہوا، مگر قرآن کریم کی ان آیات سے تسکین ہوتی جن میں انبیاء کی قوموں نے انبیاء کو ملزم گردانا تھا اور اللہ نے ان کی تردید فرمائی ہے۔ عشرۂ اخیرہ میں اس خاکسار کا قیام مرکٹا میں ہوا، بلکہ مسجد میں اعتکاف کیا اور وعظ ونصیحت میں مزید سرگرمی پیدا ہوئی ، رمضان کا آخری دن آتے آتے اللہ کا خاص فضل یہ ہوا کہ پورے علاقے میں اتحاد کی صورت پیدا ہوگئی ، صرف ایک گھرانہ بلکہ اس گھرانے کا ایک فرد جو خاصا بااثر تھا وحدتِ کلمہ کی اس صورت سے بدکتا رہا، میں نے عید کے دن فجر کی نماز کے فوراً بعد اس کے گھر جاکر اس موضوع پر گفتگو کی ، وہ شخص تھوڑی دیر میں موم ہوگیا، اور عید کی نماز آٹھوں گاؤں نے ایک جگہ جمع ہوکر ادا کی ، اس یکجائی کا منظر بھی قابل دید تھا ، سب کے چہروں پر خوشی کی لہر تھی ، پرانی رنجشیں یکلخت کافور ہوگئیں، کسی کو کسی سے گلہ نہ رہا، جب تمام لوگ خوشی خوشی ایک جگہ اکٹھا ہو گئے اور صفیں درست ہونے لگیں تو اچانک بادِ رحمت چلنے لگی ، پانی لئے ہوئے گھنگھور گھٹائیں آسمان پر امنڈنے لگیں، تمام لوگوں کی آنکھیں بارانِ رحمت کے آثار دیکھ کر خوشی سے چمکنے لگیں۔ میں نے اعلان کیا کہ اللہ کی رحمت برسنا ہی چاہتی ہے، مگر کوئی فرد یہاں سے ہرگز نہ ہٹے، اس اعلان کے بعد نماز شروع ہوئی ، ایک رکعت کے بعد موسلا دھار بارش شروع ہوگئی ، اتنا پانی برسا کہ دوسری رکعت کا سجدہ لوگوں نے پانی میں کیا، بارش ہو رہی تھی اور امام نے عید کا خطبہ پڑھا، ہر فرد شرابور ہوکر گھر لوٹا، دن بھر بارش ہوتی رہی اور گرمی کی شدت یکا یک کافور ہوگئی ، اور قحط سالی کا منظر شادابی اور خوشحالی سے بدل گیا، کسان

نہال ہو گئے اور سب نے محسوس کیا کہ یہ قلبی اتحاد کی برکت ہے، عید اچھی گزر گئی، دین داری کا رنگ جمنے لگا، تعلیم کا شوق بھی بڑھا۔ (شوق الوطن، ص/54)

تمام اہل خانقاہ ایک جسم کی طرح متحد رہتے ہیں چاہے وہ کوئی بھی دور ہو

خانقاہ میں جس قدر لوگ ہوتے ہیں وہ اپنے اتحاد اور متحدہ اداروں کے باعث ایک جسم کی طرح ہوتے ہیں دوسری جماعتوں میں یہ بات نہیں ہے ان میں ایسا اتحاد نہیں پایا جاتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی تعریف اس طرح فرمائی ہے۔ كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ۔ (وہ مومنین ایسے متحد و متفق ہیں اور اس قدر مضبوط ہیں جیسے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار) اور اس کے برعکس اعدائے مسلمین کا ذکر اس طرح فرمایا ہے۔ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى۔ (تم ان کو متحد و متفق خیال کرتے ہو حالانکہ ان کے دل پراگندہ ہیں۔

حضرت نعمان بن بشیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ: ''بیشک مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں اگر کوئی عضو مبتلائے درد ہوتا ہے تو تمام جسم میں تکلیف ہونے لگتی ہے۔

اسی طرح اگر کسی مومن کو کئی تکلیف پہنچتی ہے تو تمام مومنین اس کی تکلیف محسوس کرتے ہیں''۔ (فیضان گنگوہی، ص/292)

اسلامی احکام پر عمل کرو، حقوق کی ادائیگی کرو یقیناً اتحاد پیدا ہو جائے گا

پس ہمیں کسی سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہم آپ سے اتحاد کرنا چاہتے ہیں، یا ہم کو آپ سے ہمدردی ہے بلکہ کفار پڑوسی کے ساتھ تم اسلامی تعلیم کے موافق عمل شروع کر دو وہ خود آپ سے متحد ہو جائیں گے اور آپ کی محبت و عظمت ان کے قلوب میں پیدا ہو جائے گی۔

نہ اس کی ضرورت ہے کہ تم احکام شرعیہ میں ترمیم کرو، نہ اس کی ضرورت ہے کہ جلسوں میں

ان کومدعوکر کے خوشامد کے الفاظ کہو، بلکہ عمل کی ضرورت ہےاور معاملہ درست کرنے کی، مگرعمل میں ہماری یہ حالت ہے کہ مسلمانوں سے بھی ہمارا برتاؤ اچھانہیں کفار سے تو کیا اچھا ہوتا، پھر یہ زبانی باتیں کب تک چلیں گی۔ (بالاخوۃ،التبلیغ ص ۱۲۰ ج ۱۳)

اتحادواتفاق سے رہنے میں امن وسکون رہتا ہے

یہ حقیقت ہے کہ سب سے مہلک مرض اختلاف وانتشار کا مرض ہے، اورسب سے مفید دوا وعلاج اتحادواتفاق ہے، امن کے قیام میں اتحادواتفاق کا کلیدی رول ہوتا اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کواتحادواتفاق سے رہنے کی تاکیدفرمائی، تمام مسلمانوں کوکلمۂ واحدہ کی بنیاد پر ’’بنیان مرصوص‘‘ (سیسہ پلائی ہوئی دیوار) بننے کاحکم دیااورارشادفرمایا کہ:

اَلْمُؤمِنُ لِلْمُؤمِنِ كَالْبُنْيَانِ، يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضاً۔ (بخاری ومسلم)

ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے عمارت کی مانند ہےجس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی مضبوطی واستحکام کاباعث ہوتا ہے۔

مزیدفرمایا گیا:مَثَلُ الْمُؤمِنِيْنَ فِيْ تَوادِّهِمْ وَتَراحُمِهِمْ وَ تَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ، إِذَا اَشْتَكَىٰ مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعِيْ لَهُ سَائِرَ الْجَسَدِ بِالسَّهْرِ وَالْحُمّٰى۔ (بخاری ومسلم)

باہمی محبت وتعلق میں اہل اسلام جسم واحد کی مانند ہیں، کہ ایک عضوکوتکلیف پہونچتی ہےتو پورا بدن بےخوابی اور بخار میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

اختلاف وانتشارکودین کومونڈنے والاعمل قراردیا گیا ہے،اوراختلاف کوتباہی کاذریعہ بتایا گیا ہے۔

امت مسلمہ اور عالم اسلام کے آپسی انتشار کا حل

اس وقت ہندوستان اور عالم اسلام کے مسلمانوں کوان گنت مسائل درپیش ہیں ہر مسئلہ اپنی جگہ قابل توجہ اورفوری حل کا طالب ہے،لیکن ان میں سے بعض مسائل بنیادی حیثیت

رکھتے ہیں جن کے سنگین نتائج نے امت مسلمہ کے وجود پر سوالیہ نشان لگا دیا ہے، اگر وہ اسی طرح سرد خانہ کے حوالہ کئے جاتے رہے تو وہ دن دور نہیں کہ مسلمان عبرتناک انجام سے دو چار ہو جائیں، انہی بنیادی مسائل میں سے ایک مسئلہ مسلمانوں کا آپسی انتشار اور ان کی باہمی رسہ کشی کا ہے، جو دن بدن شدت اختیار کرتا ہے، یہ انتشار ہر سطح سے پایا جاتا ہے، مسلکی بنیادوں پر بھی اور جماعتی سطح سے بھی، خاندانی دائرہ میں بھی اور امت کے اجتماعی معاملات میں بھی۔

جہاں تک اختلاف رائے کا تعلق ہے تو ہر دو باشعور افراد کے درمیان اس کا پایا جانا فطری ہے اور وہ ایک صحت مند معاشرہ کے لیے ناگزیر بھی ہے، لیکن امت مسلمہ میں پائے جانے والے جس اختلاف کی نشاندہی مقصود ہے، وہ ایسا اختلاف ہے جو اندر ہی اندر سے مسلمانوں کو کھوکھلا کئے جا رہا ہے، اختلاف بالکلیہ رونما نہ ہو، ناممکن ہے، ایسا نہ کبھی ہوا ہے اور نہ کبھی ہوگا، اس سے تو عہد رسالت بھی محفوظ نہ رہا، چنانچہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں بھی صحابہ میں بہت سے معاملات میں اختلاف ہوا، لیکن اختلافات کے منفی اثرات سے وہ محفوظ تھے غرضیکہ اختلافات کے تباہ کن نتائج سے بچنے کے لیے کیا حل تلاش کیا جائے؟ اور فروعی مسائل میں اختلافات کے باوجود کیسے تعلقات پر آنچ آنے نہ دی جائے اور کیوں کر امت کے شیرازہ کو بکھرنے سے بچایا جائے؟ یہ اور اس قسم کے دیگر سوالات فوری حل طلب ہیں۔

موجودہ دور میں مسلمانوں میں پائے جانے والے اختلافات کو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، ایک وہ اختلاف ہیں جو اجتماعی معاملات میں رونما ہوتے ہیں جن کا فروعی مسائل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، چاہے وہ سیاسی معاملات ہوں یا روزمرہ کی سماجی زندگی کے مسائل دوسرے وہ اختلافات ہیں جو مختلف مکاتب فکر اور فقہی مسالک سے تعلق رکھنے والوں کے درمیان افضل اور غیر افضل کے تعلق سے پائے جاتے ہیں، فی زمانہ مسلمانوں میں دونوں قسم کے اختلاف عروج پر

ہیں، اجتماعی معاملات اور سیاسی سطح سے بھی امت انتشار سے دو چار ہے، اور مسلکی اختلافات کی بنیاد پر بھی باہم دست وگریباں ہیں، جہاں تک اس دوسری نوعیت کے اختلافات کی بات ہے تو وہ قیامت تک ختم ہونے والے نہیں ہیں، اس لئے کہ فروعی مسائل اور افضل غیر افضل میں اختلاف عہد صحابہ میں بھی رہا ہے۔ (موجودہ حالات میں سیرت رسول کا پیغام، ص/224)

انتشار و اختلاف کا حل

سیرت رسول جو انسانی زندگی کے تمام مسائل کا حل اپنے اندر رکھتی ہے ممکن نہیں کہ اختلافات کے مسئلہ کا اس میں حل نہ ہو اور اس شعبۂ زندگی کے لیے سیرت کے دامن میں کسی طرح کے رہنمایانہ خطوط نہ ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں دونوں طرح کے اختلافات کا حل مل سکتا ہے، جہاں تک پہلی نوعیت کے اختلافات کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں آپ نے سب سے پہلے صحابہؓ کی اس انداز سے تربیت فرمائی کہ حتی الامکان اس قسم کے اختلافات پیدا ہی نہ ہوں، مسلمان آپس میں شیر وشکر کی طرح رہیں، اس لئے آپ نے اخوت و بھائی چارگی اور الفت ومحبت ایثار و ہمدردی تواضع وانکساری اور ان جیسی دیگر ایسی صفات پر زور دیا جن سے وحدت اسلامی برقرار رہتی ہے، چنانچہ کتب احادیث میں ایسی روایات کی کمی نہیں ہے جن میں آپسی اختلافات وانتشار اور باہمی رسہ کشی سے منع کیا گیا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے: ''**لاتختلفوا فتختلف قلوبکم**''۔

(مسند احمد حدیث البراء بن عازب حدیث ۱۸۵۱۶)

اختلافات نہ کرو تمہارے دل بھی بچھڑ جائیں گے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**لاترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض**''۔ (بخاری: باب الانصات للعلماء، حدیث ۱۲۱)

میری وفات کے بعد کافروں کی روش اختیار نہ کرنا کہ تم ایک دوسرے کی گردن ناپنے لگو۔

نیز آپ نے ایک مرتبہ صحابہ سے فرمایا: کیا تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں جو درجہ میں نماز، روزہ، زکوۃ سے بھی افضل ہے، صحابہ نے عرض کیا: ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور بتایئے! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آپس کی محبت اور میل جول نماز روزہ اور زکوۃ سے بھی افضل ہے، پھوٹ اور آپس کا تفرقہ دین کو مونڈ دیتا ہے۔ اس حدیث میں آپ نے جہاں ایک طرف آپسی محبت کو نماز، روزہ اور زکوۃ سے افضل قرار دیا وہیں آپسی تفرقہ کو "حالقہ" یعنی دین کو مونڈ دینے والا عمل قرار دیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت میں تفرقہ ڈالنے والوں کی سخت مذمت فرمائی ہے، چنانچہ فرمایا: "بندگان خدا میں بہترین وہ لوگ ہیں جب ان کے چہروں پر نظر کی جائے تو خدا یاد آئے، اور بدترین افراد وہ ہیں جو ادھر ادھر کی چغلیاں کھاتے ہیں اور پھوٹ ڈالتے پھرتے ہیں جو دوستوں میں جدائی ڈلوائیں اور بے لوث لوگوں کو تہمت لگائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں آپسی تفرقہ کی تباہ کاریوں سے آگاہ کیا وہیں اتحاد و اجتماعیت کی اہمیت اور اس کی برکات کو بھی اجاگر کیا اور جماعت سے وابستہ رہنے پر زور دیا، چنانچہ سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "شیطان ایک اور دو افراد کے پیچھے لگ جاتا ہے لیکن جب تین افراد ہوں تو انہیں پریشان نہیں کر پاتا۔ (المستدرک، حدیث عبداللہ بن زید حدیث ۲۴۹٦)

ایک اور روایت میں اجتماعیت سے ہٹ جانے والوں پر وعید بیان فرمائی: جو اطاعت سے نکل بھاگا اور جماعت سے جدا ہو گیا پھر اسے موت آئی تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

(مسند احمد، مسند عبداللہ بن عمر، حدیث ٦١٦٦:)

نیز مسلم کی روایت میں ہے جس نے ہمارا امت کے خلاف خروج کیا، نیک و بد کی گردنیں اڑائیں، سچے مسلمانوں کا بھی خیال نہ کیا اور وعدہ خلافی کی تو اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں نہ میرا اس سے کوئی مطلب ہے۔ (مسلم باب الامر بلزوم الجماعۃ حدیث ۱۸۴۸:)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحابہ کی اجتماعیت کی فکر اس قدر دامن گیر رہتی کہ سفر و حضر ہر حالت

میں صحابہ کرامؓ پر نگاہ رکھتے تھے، چنانچہ حضرت ابوثعلبہ کہتے ہیں کہ سفر میں لوگ جب پڑاؤ ڈالتے تو مختلف گھاٹیوں اور وادیوں میں فروکش ہو جاتے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا یہ منتشر ہو جانا شیطان کی چال ہے، لیکن آپ کی اس تاکید کے بعد صحابہ جب بھی کہیں آرام کرتے تو ایک فرد دوسرے فرد سے ایسا چمٹ جاتا کہ لوگ کہتے کہ اگر ان پر ایک کپڑا ڈالدیا جائے تو سب پر محیط ہو جائے۔ (ابوداؤد، مایؤمر من انضمام العسکر حدیث ۲۶۲۶)

اتحاد کو متاثر کرنے والے صفات سے اجتناب ضروری ہے

آپسی تفرقہ سے بچنے کی تاکید کے ساتھ آپ نے ان صفات سے بھی احتراز کرنے کی تاکید فرمائی جن سے مسلمانوں کا آپسی اتحاد متاثر ہوتا ہے، اور جو مسلمانوں میں باہم الفت ومحبت کے بجائے بغض وعناد اور دوری پیدا کرتی ہیں، چنانچہ تحقیر وتذلیل غیبت وبدگمانی کبر وحسد، بغض وعناد اور عصبیت اور منافرت جیسی مذموم صفات سے سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی، عام طور پر یہی باتیں دلوں میں رنجش اور آپسی ناچاقیوں کا باعث بنتی ہیں، تحقیر مسلم کے سلسلہ میں فرمایا ''کسی آدمی کے برے ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے اور اس کی تحقیر کرے مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان پر حرام ہے (یعنی اس پر دست درازی حرام ہے) اس کا خون بھی اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی''۔ (مسلم باب تحریم ظلم المسلم حدیث ۲۵۶۴)

جھگڑے اور خصومت کے بارے میں فرمایا: ''میں اس مومن کے لئے جنت کے کنارے ایک محل کی ضمانت دیتا ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے''۔ (ابوداؤد باب فی حسن الخلق حدیث ۴۸۰۰)

مسلم شریف میں ایک طویل حدیث ہے جس میں ان بہت سی مذموم صفات سے بچنے کی تاکید فرمائی جو مسلمانوں کے ملی اتحاد کے لئے سخت نقصان دہ ہیں چنانچہ فرمایا: ''بدگمانی سے بچو

اس لئے کہ بدگمانی سب سے بڑاجھوٹ ہےاورتجسس نہ کرو،بہت زیادہ ٹوہ میں نہ پڑو،مقابلہ آرائی نہ کرو،ایک دوسرے سے حسد نہ کرو،ایک دوسرے سےنفرت نہ کرو،باہم عداوت نہ رکھواور بن جاؤ اللہ کے بندے بھائی بھائی،جس طرح اس نےتمہیں حکم دیا ہے،ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہےوہ اس پر ظلم نہ کرےاسے یکہ وتنہاء نہ چھوڑےاسے حقیر نہ سمجھے، آدمی کے براہونے کے لئے کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کوحقیر سمجھے،ہرمسلمان کا مال اس کاخون اوراس کی آبرودوسرے مسلمان پرحرام ہے،۔(مسلم باب تحریم الظلم،حدیث ۲۵۶۴:)

اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اورتمہارےجسموں کونہیں دیکھے گا بلکہ تمہارے اعمال کودیکھے گا،سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئےفرمایاتقویٰ یہاں ہوتا ہے(تین مرتبہ فرمایا) آگاہ رہو تم میں سے کوئی کسی کی بیع پر بیع نہ کرے کہ اس کا نقصان ہوجائے اور ہوجاؤ اللہ کے بندے بھائی بھائی،اورکسی مسلمان کے لئے جائزنہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق باقی رکھے‘‘۔(مسلم باب النہی عن التحاسد حدیث ۲۵۵)

کبروغروربھی اختلاف وانتشار کا اہم سبب اورملی اتحاد کے لئے انتہائی مضر ہوتا ہے احادیث میں اس کی سخت مذمت کی گئی ہےاوراس کے مقابلہ میں تواضع کی تلقین کی گئی ہے، چنانچہ ارشادنبوی ﷺ ہے:’’اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کی ہے خاکساری اختیارکرو،یہاں تک کہ کوئی کسی پرظلم نہ کرےاوربےجافخرنہ کیاجائے۔

متکبرین کے بارے میں فرمایا کہ قیامت کے دن وہ ذروں کے مانندآدمیوں کی شکل میں اٹھائے جائیں گے،انہیں ہرجگہ ذلت نےآلیاہوگا۔ (الادب المفرد،حدیث ۴۲۸)

ۃ حسب ونسب اورخاندانی مفاخرت بھی آدمی کوعصبیت پرآمادہ اورملت کےشیرازہ کو منتشرکرتی ہے،آپ نے خاندانی مفاخرت کا خاتمہ کیااورتقویٰ کوفضیلت کامعیارٹھہرایا،چنانچہ

فرمایا: ''قیامت کے دن اللہ کے حکم سے ایک منادی آواز لگائے گا: سن لو! میں نے ایک نسب بنایا تھا اور تم لوگوں نے دوسرے نسب بنائے تھے، میں تے تم میں سب سے زیادہ معزز اسی کو ٹھہرایا تھا جو تم میں سب سے زیادہ متقی تھا لیکن تم کہتے رہے کہ یہ فلاں کا بیٹا ہے، لیکن آج میں اپنے نسب کو بلند کروں گا اور تمہارے طئے کردہ نسبوں کو نیچے کردوں گا۔

اسی طرح جو چیزیں آپسی اتحاد والفت کے لیے معاون ہوسکتی ہیں آپ نے ان کی ترغیب دی، تواضع خیر خواہی اور ایثار و ہمدردی کی تلقین فرمائی جن سے آپسی محبت میں اضافہ ہوتا ہے، چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''تین صفات ایسی ہیں کہ جن کے خلاف کسی مسلمان کے دل میں کینہ نہیں ہونا چاہئے، اخلاص، مسلمانوں کی خیر خواہی اور اجتماعیت پسندی، اس لیے کہ جس کے اندر یہ صفات ہوں گی اس کی دعا تمام افراد کی خیر خواہی پر مشتمل ہوگی۔

انتشار اور اختلاف جیسے ہی شروع ہو فوراً اس کو ختم کرنے کی تدبیریں پیدا کرو

اختلافات کے حل کے نبوی طریقہ کار کا حصہ یہ ہے کہ اختلافات کے بیج کو پنپنے سے پہلے جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے، چنانچہ جب کبھی اختلافات پیدا ہونے کے آثار نمایاں ہوتے آپ فوراً انہیں دبانے کی کوشش فرماتے، اس سلسلہ کی چند مثالیں دی جاسکتی ہیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: ''میں ایک روز دوپہر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا، وہاں میں نے دو آدمیوں کی آواز سنیں جو کسی آیت کے سلسلہ میں اختلافی بحث کررہے تھے، ان کی آواز سن کر آپ غضبناک ہوئے اور فرمایا: **''إنما هلك من كان قبلكم باختلافهم في الكتاب''**۔

تم میں سے پہلے لوگ کتاب میں اختلاف کر کے ہی ہلاک ہوگئے۔

(بخاری باب حدیث الغار حدیث ۳۴۷۶)

نزال بن سبرہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ کہتے ہوئے سنا'' کہ میں نے

ایک شخص کو ایک آیت پڑھتے سنا جو اس کے خلاف پڑھ رہا تھا جیسے میں نے نبی کریم ﷺ سے سن رکھا تھا، اس لیے میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور آپ کے پاس لے کر حاضر ہوا، ہماری بات سن کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم دونوں نے اچھا کیا کہ اصلاح کے لئے یہاں آئے ،شعبہ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا: **لا تختلفوا فإن من قبلکم اختلفوا فھلکوا**'' (مسلم باب النھی عن اتباع متشابہ القرآن حدیث ۲۶۶۶)

اختلاف نہ کرو تم سے پہلے لوگ اختلاف کر کے ہلاک ہو گئے۔

ابتدائی مرحلہ ہی میں اختلاف کو دفن کرنے کا ایک اور واقعہ غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر پیش آیا جب مسلمانوں کا لشکر مریسع کے پانی پر جمع ہو گیا تو ایک مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان پانی پر باہم جھگڑا ہوا اور نوبت قتل وقتال کی آگئی ،مہاجر نے اپنی مدد کے لئے مہاجرین کو پکارا اور انصار نے انصار کو دونوں کی مدد کے لئے کچھ افراد پہونچ گئے اور قریب تھا کہ مسلمانوں کے درمیان ایک فتنہ کھڑا ہو جائے ،رسول اکرم ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فوراً مقام پر تشریف لے گئے، اور سخت ناراضگی کے ساتھ فرمایا: ''ہر مسلمان کو اپنے بھائی کی مدد کرنا چاہئے ،خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ،مظلوم کی مدد کرنا تو ظاہر ہے کہ اس کو ظلم سے بچائے اور ظالم کی مدد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکے، کیوں کہ اس کی حقیقی مدد یہی ہے، رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنتے ہی جھگڑا ختم ہو گیا''۔ (مسلم باب نصر الاخ ظالماً أو مظلوماً، حدیث: ۲۵۸۴)

جب امت کے افراد کے درمیان معاملات میں انتشار ہو تو حکومت اس کو ختم کیا جائے

اختلاف کے حل کا سب سے نازک مرحلہ (جس میں کسی بھی قائد ورہنما کی قائدانہ

ومدبرانہ صلاحیتوں کی کڑی آزمائش ہوتی ہے) وہ ہوتا ہے جب ملت کے مختلف افراد کے درمیان عملاً اختلاف پیدا ہوجائے اور ملت کسی اجتماعی معاملہ میں مختلف خانوں میں بٹ جائے ایسے میں انہیں حددرجہ تدبروفراست کے ذریعے بغیر کسی ملی نقصان کے اختلاف کے بھنور سے نکالنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں، رسول اکرم ﷺ نے ایسے نازک مرحلوں میں بھی نہایت کامیاب طریقے سے امت کو اختلاف کی تباہ کاریوں سے محفوظ رکھا، اور مسئلہ کا حل ایسا نکالا کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے، سیرت میں اس سلسلہ کے کئی واقعات ملتے ہیں۔

نبوت سے قبل مکہ مکرمہ میں جب قریش نے کعبہ کی منہدم دیواروں کی تعمیر کا منصوبہ بنایا تو حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھنے کا تنازعہ کھڑا ہوگیا، اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ آپس میں خون کی ندیاں بہہ جائیں، ہر قبیلہ کی خواہش تھی کہ یہ اعزاز اسے حاصل ہو، رسول اکرم ﷺ نے اس تنازعہ کو جس دوراندیشی سے حل فرمایا ہے تاریخ انسانیت میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے، وہ ایسا معقول حل تھا کہ سارے قبیلے اس پر راضی ہوگئے، اور امت اختلاف وتفرقہ کے دہانے پر جاکر محفوظ رہی، آپنے ایک کپڑا منگوایا اور اس میں حجر اسود رکھا اور ہر قبیلے کے سردار سے کہا کہ وہ کپڑے کا کوئی حصہ پکڑ لے، اس طرح سبھوں نے اسے اٹھا کر مقام پر پہونچا دیا پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے دیوار میں نصب کردیا۔ (سیرت مصطفیٰ ج ۱ ص ۱۱۵)

نبوت کے بعد اور بالخصوص مدنی زندگی میں کئی موقعوں پر مسلمانوں میں اختلافات ہوئے جن میں سے بعض سنگین نوعیت کے بھی تھے، حضور اکرم ﷺ نے جس طرح سے انہیں حل فرمایا اس سے آپ کے حسن تدبیر قوت فیصلہ اور مدبرانہ قیادت صاف جھلکتی ہے اور قیادت کے منصب پر فائز افراد کے لئے وہ بہترین اسوہ کا درجہ رکھتی ہے، یہاں اس طرح کے تین واقعات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اختلاف کا ایک مرحلہ اس وقت پیش آیا جب غزوۂ حنین کے بعد آپ نے بعض ناگزیر

مصالح کے پیش نظر مال غنیمت کا بڑا حصہ قبیلہ قریش اور ضرورت مند مہاجرین کے درمیان تقسیم کیا، اور انصار کو حصہ نہ مل سکا، اس پر انصار کی صفوں میں ناراضگی کی لہر اٹھی، اور انصار کے مختلف افراد کے درمیان طرح طرح کی باتیں ہونے لگیں، صورت حال کی نزاکت کو محسوس کر کے انصار قبیلہ کے سردار حضرت سعد بن عبادہؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سارا ماجرا سنایا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعد بن عبادہؓ سے کہا کہ سعد! اس سلسلہ میں تمہارا کیا موقف ہے؟ سعدؓ نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں بھی اپنی قوم کا ایک فرد ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعد کو حکم دیا کہ وہ اپنے قبیلے کے لوگوں کو جمع کریں، جب سارے لوگ جمع ہو گئے تو سعد نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے، سب سے پہلے اللہ کی حمد وثنا بیان فرمائی پھر انصار کے اس قبیلہ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: اے انصار کے لوگو! سنا ہے کہ تم آپس میں چہ می گوئیاں کر رہے ہو اور مجھ سے ناراضگی محسوس کر رہے ہو (بھلا یہ تو بتلاؤ) کیا ایسا نہیں کہ میرے آنے سے پہلے تم ضلالت و گمراہی میں تھے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تمہیں ہدایت دی، محتاج و نادار تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تمہیں غنی کر دیا، آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تمہارے درمیان الفت پیدا کر دی، سارے انصار خاموش تھے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انصاریو! کیا میری ان باتوں کا جواب نہیں دو گے؟ انصار کہنے لگے ہم کیا جواب دیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارا فضل و احسان تو اللہ و رسول ہی کا ہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سن لو! تم یوں کہہ سکتے ہو اور تمہارا کہنا مبنی بر صداقت بھی ہوگا اور میں بھی اس کی تصدیق کروں گا (تم کہہ سکتے ہو کہ) آپ ہمارے پاس اس حال میں آئے تھے کہ مکہ میں بھی آپ کو جھٹلایا جا چکا تھا اور ہم نے آپ کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لائے نیز آپ ہمارے پاس بے یار و مددگار کسمپرسی کے

عالم میں آئے تھے ہم نے ہر طرح سے آپ کی مدد کی، آپ کو دھتکارا جاچکا تھا ہم نے آپ کو پناہ دی، آپ محتاج تھے ہم نے آپ کو غنی کر دیا، اے انصار کی جماعت کیا تم دنیا کی ایسی حقیر شئی کے بارے میں خفا ہو گئے جس کے ذریعہ میں نے کچھ لوگوں کو اسلام سے مانوس اور قریب کرنا چاہا تا کہ وہ اسلام قبول کریں اے انصاریو! کیا تمہیں یہ پسند نہیں ہے کہ اور لوگ تو بکریوں اور اونٹوں کو لے جائیں اور تم اللہ کے رسول کو لے جاؤ؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان ہے اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا ایک فرد ہوتا اگر سارے لوگ کسی گھاٹی میں جائیں تو میں انصار کی گھاٹی کی طرف چلوں گا، اے اللہ انصار پر اور فرزندان انصار اور ان کے بیٹوں پر رحم فرما، راوی کہتے ہیں کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس رقت انگیز تقریر سن کر) سارے انصار رونے لگے یہاں تک کہ ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں اور کہنے لگے ہمیں اللہ اور اس کے رسول کی تقسیم منظور ہے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مقام پر لوٹ گئے اور سارے لوگ منتشر ہو گئے۔ (سیرت النبی حصہ اول ص ۳۲۷)

اختلاف کے حل کے نکات اور حکمتیں

مذکورہ واقعہ میں تنازعہ کے حل کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتہائی درجہ فراست و حکمت کا استعمال فرمایا ہے، اس واقعہ میں آپ نے اختلاف کے حل کے لئے درج ذیل نکات پر توجہ دی ہے:

(۱) اختلاف کرنے والوں کی آراء اور ان کے خیالات کو بغور سننے کا اہتمام اور ان کی آراء معلوم کرنے سے قبل کسی قسم کا فیصلہ صادر کرنے سے گریز، چنانچہ زیر بحث معاملہ میں جب حضرت سعد بن عبادہؓ نے صورتحال سامنے رکھنا چاہا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی دن تمام تفصیلات معلوم کیں اور ان کی باتوں کو غور سے سنا، جب سعد بن عبادہؓ سے ساری تفصیلات اور مسئلہ کی نوعیت معلوم ہو گئی تو اس کے بعد آپ نے انصار کے لوگوں کو جن کے درمیان طرح طرح کی باتیں پیدا

ہورہی تھیں جمع کرنے کا حکم فرمایا تا کہ ان سے تبادلۂ خیال کیا جائے، گو کہ حضرت سعد بن عبادہؓ بھی صاحب معاملہ تھے لیکن آپ نے ان سے تبادلۂ خیال کو کافی نہ سمجھا بلکہ پوری جماعت کی آراء معلوم کرنے اور اختلاف کی صحیح صورت حال جاننے کے لیے سبھی کو جمع کیا، آپ کے اس طرز عمل سے اجتماعی معاملات میں اختلاف حل کرنے کی ایک تدبیر اور حکمت معلوم ہوتی ہے کہ اختلاف کی صورت میں قائد کو فریق کی آراء کا احترام کرنا چاہئے، اور اختلافات کی نوعیت جانے بغیر اس کے بارے میں حق سے دور رہنے یا غلطی پر ہونے کا فیصلہ نہ کرنا چاہئے، فی زمانہ اختلافات کے مزید الجھنے کا ایک سبب یہ ہے کہ آج فریق مخالف کی کسی بات کو قابل اعتناء سمجھا نہیں جاتا اور اس کی رائے معلوم کرنے سے پہلے حکم صادر کردیا جاتا ہے۔

(۲) اس واقعہ سے دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ اختلافات حل کرنے کے لیے حاکم یا قائد کو وسیع النظر اور کشادہ دلی سے کام لینا چاہئے، جب انصار کے درمیان مال غنیمت کی تقسیم کے سلسلہ میں چہ می گوئیاں ہونے لگیں تو اس پر آپ رنجیدہ خاطر نہیں ہوئے اور نہ ان کے خلاف اظہار ناراضگی فرمایا، بلکہ جب ان کا معاملہ سامنے آیا تو پوری وسعت ظرفی سے کام لیا اور ان کے احسانات کا اعتراف کیا، موجودہ دور میں کسی دو افراد کے درمیان اختلاف رائے کا بھی یہی حال ہوتا ہے، کوئی وسیع الظرفی یا کشادہ دلی سے کام نہیں لیتا۔

(۳) اختلافات کے حل میں انداز گفتگو اور طرز تخاطب کا بڑا اہم رول ہوتا ہے اس واقعہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طرز تخاطب کی نزاکت کو پوری طرح ملحوظ رکھا اس میں آپ نے ایک طرف انصار کو ان کا مقام و مرتبہ یاد دلایا، دوسری طرف نبی کی وجہ سے حاصل ہونے والی نعمتوں کی طرف بھی ان کی توجہ مبذول کروائی، یہ وہ باتیں تھیں جن سے ان کے دل پسیج گئے اور کہہ اٹھے کہ سارا فضل و احسان اللہ اور اس کے رسول ہی کا ہے، دلوں سے اختلاف اور رنجش کے بیج نکالنے کا یہ ایک مؤثر انداز تھا۔

(۴) انصار کے معاملہ میں رسول اکرم ﷺ نے ایک اور گر یہ اپنایا کہ پہلے ان سے مسلم حقیقتوں کو منواتے رہے، اسلام سے قبل وہ لوگ ہر طرح سے گمراہ محتاج اور بے حیثیت تھے، اللہ ورسول پر ایمان لانے سے وہ ہر طرح سے سرفراز کیے گئے، یہ ایک مسلم حقیقت تھی، حضور ﷺ نے انہیں یہ سارے احسانات یاد دلائے، اسی طرح اسلام کے لئے انصار کی خدمات کو بھی سراہا، یہ گو یا وہ نکات تھے جو سب کے درمیان متفق علیہ تھے، اس طرح پہلے متفقہ نکات پر بات کر کے پھر بعد میں متنازع نکات کو اٹھایا، اختلافات کے حل اور فریق مخالف کو بتدریج نرم کرنے کا یہ ایک مؤثر اسلوب ہے۔

(۵) اختلافات کو حل کرنے کے لئے اگر متاثرہ افراد کے ساتھ ابتداء ہی میں منفی انداز اپنایا جائے تو اس سے ان میں مزید ہٹ دھرمی پیدا ہوگی اور اختلافات گہرے ہوتے چلے جائیں گے، اس لئے قائد اور حاکم کو چاہئے کہ وہ ابتداء میں متاثرہ افراد کی خوبیاں بیان کرے اور مثبت طرز تخاطب اپنائے تاکہ آئندہ جس مختلف فیہ مسئلہ میں ان سے بات ہونے والی ہے اس کے لئے ان کے قلوب آمادہ ہوجائیں، انصار کے معاملہ میں حضور ﷺ نے یہی اسلوب اپنایا، شروع میں ان کی تعریف اور ان کے احسانات کا تذکرہ کیا، بالآخر وہ رسول کے فیصلہ پر مطمئن ہو گئے۔

(۶) کسی بھی معاملہ میں اختلاف پیدا ہوجائے اور مسلمانوں کے شیرازہ کو بکھرنے کا خطرہ لاحق ہوجائے تو اس کا حل نکالنے میں عجلت کرنی چاہئے، اس لیے کہ اختلاف رونما ہونے کے بعد اگر حل میں تاخیر ہونے لگے تو وہ اختلاف گہرا ہوتا چلا جائے گا، حضرت سعد بن عبادہؓ نے جب انصار کے اختلاف سے واقف کرایا تو آپ ﷺ فوری حرکت میں آئے اور انصاریوں کو جمع کرنے کا حکم فرمایا، جب سب جمع ہو گئے تو ان کے سامنے مؤثر تقریر فرمائی، اطلاع کے بعد اگر تاخیر ہوتی تو مخالفین کو موقع ہاتھ لگتا اور وہ سازشیں کر کے مزید انتشار پیدا کرتے، فی زمانہ اختلاف کی جڑیں اس لئے مضبوط ہوتی جاتی ہیں کہ ان کا فوری حل نکالا نہیں جاتا۔

(۷) اختلافات کے حل کے لیے سنجیدہ کوششوں کے ساتھ ہر فریق کے کھلے دل سے سارے معاملات کا زیر بحث لانا بھی ضروری ہے، اختلافات کرنے والے فریق صاف صاف سارے معاملات سامنے رکھیں اور اس تعلق سے کسی پہلو کو غیر واضح نہ رکھا جائے، ورنہ اس کے بغیر پائیدار حل کی توقع نہیں کی جاسکتی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعد بن عبادہ ؓ سے جب ان کی رائے معلوم کرنی چاہی تو انہوں نے جو کچھ دل میں صاف تھا کہہ دیا کہ میں بھی اپنی قوم کا ایک فرد ہوں جو وہ سوچیں گے میں بھی وہی سوچوں گا، انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے ناراض ہو جائیں گے۔

اختلاف کے حل کیلئے صلح حدیبیہ میں ضرور غور کریں

اختلاف کے حل کے نبوی طریق کار کے سلسلہ میں مثال صلح حدیبیہ کی دی جاسکتی ہے حدیبیہ کے موقع پر کفار مکہ کے ساتھ جس طرح دب کر صلح کی گئی تھی اس سے بیشتر صحابہ کو اختلاف تھا، قریش کے ظالمانہ معاہدہ سے ان کے دل تنگ ہوتے جا رہے تھے، اس نازک مرحلہ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کامیاب طریقہ سے حل نکالا سب سے پہلے اس سلسلہ میں دور اندیشی اور حکمت سے حالات کا مکمل جائزہ لیا دیگر لوگوں کی نگاہ تو حال پر تھی اور دب کر کی جانے والی صلح میں انہیں شکست و ذلت نظر آرہی تھی لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ اس صلح سے مستقبل میں حاصل ہونے والے فوائد واثرات پر تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ اشاعت دین کے سلسلہ میں اس کے بڑے دوررس اثرات مرتب ہوں گے اور اسلام کا پھیلاؤ ہی آئندہ مسلمانوں کی فتح کامل کا باعث بنے گا، چنانچہ اللہ نے آپ کے موقف کی تائید کرتے ہوئے صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر اختلاف کرنے والے صحابہ سے نمٹنے کے لئے آپ نے یہ طرز اپنایا کہ ان کے جذبات کو دبایا نہیں، بلکہ انہیں اپنے جذبات کے اظہار کی کھلی چھوٹ دی اور ان کے

جذباتی خیالات کو سنتے رہے، صحابہ میں سب سے زیادہ حضرت عمرؓ متاثر تھے، شدت جذبات میں وہ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ حضور ﷺ نے جواب دیا کیوں نہیں؟ ہم ضرور مسلمان ہیں پھر حضرت عمرؓ نے سوال کیا کہ کیا مکہ کے لوگ مشرک نہیں ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں؟ وہ ضرور مشرک ہیں، حضرت عمرؓ کہنے لگے تب ہمیں اپنے دین کے معاملہ میں ایسی ذلت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ اس پر حضور ﷺ برہم نہ ہوئے بلکہ حضرت عمرؓ کو سمجھایا کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں (اللہ کا یہی حکم ہے) میں ہرگز اس کی مخالفت نہیں کر سکتا اور وہ مجھے ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ (سیرۃ النبی ﷺ حصہ اول ص ۲۸۰:)

اس گفتگو سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے پر جوش صحابہ کے جذبات کو کچلا نہیں بلکہ انہیں اپنے جذبات کے اظہار کا موقع دیا، پھر اخیر میں اصل حقیقت کو واضح کیا کہ اللہ کا یہی حکم ہے اور ہمیں اس پر راضی رہنا چاہئے بجائے اس کے اگر آپ اس معاملہ میں صحابہ سے سختی سے نمٹتے تو قوی امکان تھا کہ بات آگے بڑھتی اور اختلاف مزید شدت اختیار کر لیتا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ عمرہ کے لیے احرام باندھ کر نکلے تھے اور ساتھ میں قربانی کے جانور بھی تھے جب عمرہ کئے بغیر حدیبیہ سے واپس لوٹنا طئے ہوا تو آپ نے ہدی ذبح کر کے احرام سے باہر آنے کا حکم فرمایا لیکن چونکہ سب جذبات سے مغلوب تھے اور صلح میں اپنے لیے ذلت محسوس کر رہے تھے اس لیے کوئی اس کام کے لیے آمادہ نہ تھا ایسے میں حضرت ام سلمہؓ نے یہ مشورہ دیا "اخرج یارسول اللہ وابدأ بما ترید فاذا رؤک فعلت اتبعوک"۔ (بخاری، حدیث ۲۷۳۲۔ مسند احمد، حدیث ۱۸۹۱۰)

یارسول اللہ ﷺ آپ خود حلق ونحر کا عمل شروع کیجئے اور احرام سے نکل آیئے لوگ جب آپ کو کرتا دیکھیں گے تو خود بخود آپ کی اتباع کرنے لگیں گے، حضور ﷺ نے ایسا ہی کیا اور سارے لوگ آپ کی پیروی کرنے لگے، یہ واقعہ بتاتا ہے کہ متنازع مسائل میں دوسروں کے مشورہ پر غور کرنا چاہئے، بسا اوقات دوسروں کے مشورہ میں مسئلہ کا حل ہوتا ہے۔

حاطب بن ابی بلتعہ نے جب جنگی راز فاش کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کیسے حل کیا

اختلافات اور مسائل کے حل کی تیسری مثال وہ واقعہ ہے جو فتح مکہ سے قبل صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حاطب بن ابی بلتعہ سے پیش آیا انہوں نے بغیر کسی فساد نیت کے اپنے قرابت داروں سے حسن سلوک کے لالچ مین جنگی راز کا افشاء کیا گو کہ ان کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانا ہرگز نہ تھا لیکن بہر حال حقیقت کے لحاظ سے ان کا اقدام سنگین تھا، اس مسئلہ سے نمٹنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اول تو معاملہ کی پوری تحقیق کی، جس عورت کے ہاتھ انہوں نے خط بھیجا تھا صحابہ کو روانہ کر کے اسے منگوایا، تحقیق کے بغیر ان کے خلاف اقدام نہیں کیا، اگر بلا تحقیق کوئی اقدام کیا جاتا تو مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو جاتا، پھر جب تحقیق کے بعد ان کی غلطی پایۂ ثبوت کو پہنچی تو انہیں حقائق کے اظہار اور اپنے دفاع کا پورا موقع دیا، حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے صاف صاف بتا دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معذرت چاہی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب یقین ہو گیا کہ حاطب کے معاملہ میں دل کا کھوٹ یا فساد نیت نہیں ہے بلکہ وہ محض مسلمان ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں معاف کر دیا، اگر مخلص جاننے کے باوجود معذرت قبول نہ کی جاتی تو ان کا معاملہ مسلمانوں کے لیے فتنہ بن سکتا تھا۔ (سیرت حلبیہ جلد سوم نصف اول ص ۲۳۸)

رحلتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلا اختلاف جسے حضرت ابوبکر صدیق نے حل فرمایا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے پہلے جس معاملہ میں اختلاف ہوا وہ آپ کی حقیقت وفات کے سلسلہ میں تھا، حضرت عمرؓ کا اصرار تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی یہ محض

منافقین کی اڑائی ہوئی خبر ہے، حضرت ابوبکرؓ آئے تو انہوں نے قرآن کی آیت ''وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل اف ان مات اوقتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا وسیجزی اللہ الشاکرین''۔ (آل عمران) اور آیت انک میت وانہم میتون تلاوت فرمائی۔ (زمر ۱۸)

ان آیات کا سننا تھا کہ حضرت عمرؓ کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور اس کے ساتھ وہ خود بھی زمین پر گر پڑے عمرؓ کو یقین ہو گیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو چکا ہے اور سلسلہ وحی بھی منقطع ہو چکا ہے اور عمرؓ کہنے لگے کہ بخدا گویا میں نے ان آیتوں کو کبھی پڑھا ہی نہیں۔ (سیرۃ مصطفیٰ جلد ۳ ص ۱۷۷)

اس کے بعد دوسرا اختلاف اس میں ہوا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے؟ کسی نے مسجد نبوی کی رائے دی، کسی نے کہا کہ دیگر صحابہ کے ساتھ آپ کو دفن کیا جائے، اتنے میں حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: ''ماقبض نبی الا دفن حیث قبض'' ہر نبی کی تدفین وہیں ہوتی ہے جہاں اس کی روح قبض ہوئی ہو، یہ سننا تھا کہ صحابہ نے اس بستر کو اٹھایا جس پر آپ کا انتقال ہوا تھا اور وہیں آپ کی قبر بنائی گئی۔ (سیرۃ مصطفیٰ ۳/۱۸۶)

حضرت ابوبکر صدیق ہر حیثیت سے تمام صحابہ میں خلافت کے سب سے زیادہ مستحق تھے

لیکن آپ کے دل میں ذرا بھی خلافت کا خیال نہیں آیا، بلکہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عبیدہ کو عہدے خلافت کیلئے اپنے مقابلہ میں ترجیح دی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے نازک گھڑی اس وقت آئی جب خلافت کا مسئلہ پیدا ہوا، ابتدائی حالات سے تو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ امت انتشار کا شکار ہو جائے گی، انصار سقیفۂ بنوساعدہ میں اپنے سرداروں کے ساتھ مجلس کرنے لگے، حضرت ابوبکر وعمرؓ وہاں پہونچے، ان کا خطیب اسی خلافت کے معاملہ میں تقریر کر رہا تھا جس میں انصار کی خوبیوں اور خلافت کے لیے ان کی

قابلیت کا ذکر کیا جا رہا تھا، اس کی تقریر ختم ہونے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہو گئے، ابتداء میں انصار کی خوبیوں کا نہ صرف اعتراف کیا بلکہ جو فضائل و مناقب چھوٹ گئے تھے ان کا بھی ذکر کیا پھر فرمایا: ''معاملہ صرف مدینہ منورہ کا نہیں ہے، آج جزیرۃ العرب پر اسلام سایہ فگن ہے، مدینہ میں یتیم مہاجرین اپنے انصار بھائیوں کی فضیلت و برتری کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں مستحق خلافت سمجھ لیں جب بھی بقیہ اہل عرب غیر قریش کی خلافت تسلیم نہیں کر سکتے اور جب تک ہمارا اتحاد برقرار نہیں رہے گا اس وقت تک ہم جزیرۃ العرب سے باہر دعوت اسلام نہیں پھیلا سکتے، اسلام کے عروج و اقبال، دلوں کی ہم آہنگی اور مکمل اتحاد و اتفاق اور دعوت کا تسلسل باقی رکھنے کے لئے کوئی قریشی خلیفہ ہونا ضروری ہے، اس کے بعد آپ نے عمر فاروقؓ اور عبیدہ میں سے کسی ایک کے انتخاب کی دعوت دی، حضرت عمرؓ نے کہا اس انتخاب کے علاوہ آپ کی ہر بات مجھے پسند آئی میرے کسی اقدام سے میری گردن ماردی جائے جس سے مجھ پر کوئی گناہ عائد نہ ہو یہ میرے نزدیک اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ مجھے ایسی قوم کا حکمراں بنایا جائے جس میں ابوبکر جیسی عظیم شخصیت ہو، پھر انصار کا ایک اور خطیب اٹھ کر کہنے لگا اے قریش! ایک امیر ہمارا اور ایک امیر تمہارا ہونا چاہئے، عمرؓ کہتے ہیں کہ اس تجویز کے بعد چہ می گوئیاں بڑھ گئیں قریب تھا کہ انتشار و تنازع پیدا ہو، میں نے ابوبکرؓ سے کہا آپ ہاتھ بڑھائیے، انہوں نے ہاتھ بڑھایا میں نے بیعت کی پھر مہاجرین نے اور انصار نے بھی بیعت کی۔

فروعی مسائل کے اختلاف کو انا کا مسئلہ بنانے والا امت میں انتشار کرنے والا مجرم ہے، لہٰذا ذیل کا مضمون پڑھئے اور عبرت لیجئے

اختلاف کی ایک قسم وہ ہے جو دین و شریعت کے فروعی مسائل میں پائی جاتی ہے، فی زمانہ اس نوعیت کے اختلافات عروج پر ہیں، اور لوگ مجتہد فیہ فروعی مسائل کو حق و باطل کے معیار پر

جانچنے لگے ہیں، حتی کہ فروعی مسائل کو بنیاد بنا کر ایک دوسرے کی تکفیر بھی کی جارہی ہے، جب کہ یہ طریق کار کتاب وسنت سے ہٹا ہوا ہے، فروعی اختلافات صحابہ کے درمیان بھی پائے جاتے تھے لیکن صحابہ نے ایسے مسائل کو انا کا مسئلہ نہیں بنایا، اختلاف کے باوجود ان کے دل آپس میں ملے رہتے تھے، علامہ ابن تیمیہؒ فروعی مسائل میں اختلاف کے موقع پر صحابہ کے طرز عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں ''صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین جب کسی مسئلہ میں اختلاف کرتے تھے تو اللہ کے حکم ''**ففروا الی اللہ**''۔(سورہ ذاریات ۳۱:) کی اطاعت کرتے تھے اور وہ مشورہ اور خیر خواہی کے طور پر کسی مسئلہ میں بحث ومباحثہ فرماتے تھے، اور کبھی ان میں کسی علمی یا عملی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تھا تو آپس میں محبت بھائی چارگی اور احترام باقی رہتا تھا، احکام میں تو بے شمار اختلافات واقع ہوئے ہیں اگر ایسا ہوتا کہ جب کبھی دو مسلمان میں اختلاف ہو وہ دونوں ایک دوسرے سے قطع تعلق کر لیتے تو پھر مسلمانوں کے درمیان بھائی چارگی باقی نہ رہتی۔

صحابہ کے درمیان بے شمار اختلافات ہوئے لیکن انہوں نے طریقہ نبوی کی روشنی میں اختلافات کو رنجش اور ناچاقی کا مسئلہ نہ بنایا، حضرت عمرؓ وابوبکرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے درمیان کئی فروعی مسائل میں اختلاف تھا، ابن مسعودؓ اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں کے درمیان کر لیتے تھے اور گھٹنوں پر رکھنے سے روکتے تھے، اور عمرؓ گھٹنوں پر رکھتے تھے، اور درمیان میں رکھنے سے منع فرماتے تھے، اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے ''انت علی حرام'' تم مجھ پر حرام ہو تو ابن مسعودؓ فرماتے تھے کہ یہ قسم ہے اور عمرؓ فرماتے کہ یہ ایک طلاق ہے۔

علامہ ابن قیمؒ کے مطابق ان کے درمیان سو مسائل میں اختلاف تھا۔(کتاب المغازی ج ۲ ص ۵۱۹)

لیکن اتنے سارے مسائل میں اختلاف کے باوجود آپسی احترام اور تعلق خاطر کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ تشریف فرما تھے اتنے میں ابن مسعودؓ آئے آپ کو آتے دیکھا تو حضرت

عمرؓ نے فرمایا علم وفقہ سے بھری ہوئی شخصیت اور ایک روایت کے مطابق علم سے ایسے بھرے ہوئے کہ میں اہلِ قادسیہ پر انہیں ترجیح دیتا ہوں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں صحابہ کا فروعی مسائل میں اختلاف اس لیے نہیں تھا کہ سارے معاملات ومسائل میں صحابہ آپ سے رجوع کر کے حل کرلیا کرتے تھے، صحابہ فروعی مسائل میں اجتہاد کرتے تو اگر ان کا اجتہاد صحیح ہوتا تو آپ اس کی تصویب فرماتے ورنہ صحیح حکم بیان فرماتے، اس سے اختلاف کی بنیاد ختم ہوجاتی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں مسائل میں اختلاف کی دو مثالیں بہت نمایاں ہیں جن سے فروعی مسائل میں اختلاف کے حل کا نبوی طریق کار سمجھا جاسکتا ہے، ایک واقعہ غزوۂ احزاب کے وقت پیش آیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا ''**لا یصلین أحد کم العصر الا فی بنی قریظة**'' بنی قریظہ آنے سے پہلے کوئی نماز عصر ادا نہ کرے، جب راستہ ہی میں عصر کا وقت آگیا تو بعض صحابہ نے کہا دیار بنی قریظہ سے پہلے ہم نماز عصر نہیں پڑھ سکتے اور کچھ نے کہا کہ ہم تو پڑھ لیں گے آپ کے سامنے جب یہ واقعہ ذکر کیا گیا تو آپ نے دونوں فریقوں میں سے کسی سے بھی باز پرس نہ کی۔ اس واقعہ میں صحابہ کو ''**لا یصلین احد کم العصر الا فی بنی قریظه**'' والے نص کے سمجھنے میں اختلاف ہوا ایک فریق نے ظاہر نص پر عمل کیا اور دوسرے نے نص کے مخصوص معنی کا استنباط کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کی تصویب فرمائی، دوسرا واقعہ حضرت عمرو بن عامر کا ہے وہ کہتے ہیں کہ غزوۂ ذات السلاسل کے موقع پر ایک سرد رات مجھے احتلام ہوا، اگر میں غسل کرتا تو ہلاکت کا خطرہ تھا، اس لیے تیمم کر کے جماعت سے فجر کی نماز پڑھ لی، میرے ساتھیوں نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا عمرو حالت جنابت میں تم نے جماعت سے نماز پڑھ لی میں نے عرض حال کیا اور یہ آیت پڑھی ''**ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما**'' (نساء) اور اپنی جانیں قتل نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے یہ سن کر آپ ہنسنے لگے اور کچھ نہیں فرمایا۔

مختصر یہ کہ اختلافات چاہے اجتماعی معاملات میں ہوں یافروعی مسائل میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے حل کا بہترین نمونہ امت کے لیے چھوڑا ہے، اگر امت مسلمہ اپنے ہر قسم کے اختلافات میں اسوہ نبی کو پیش نظر رکھے تو وہ اختلافات میں اسوہ نبی کو پیش نظر رکھے تو وہ اختلافات کے تباہ کن اثرات سے خود کو محفوظ رکھ سکتی ہے۔

موجودہ حالات میں اگر آپ آپس میں متحد ہو گئے تو زمانہ آپ کی ٹھوکروں میں ہوگا، ورنہ آپ زمانہ کے ٹھوکروں میں ہوں گے

دل، جگر، کان، آنکھ، دماغ اور دیگر جسمانی اعضا کی اہمیت وافادیت سے ہم بخوبی واقف ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک بھی صحیح وسالم نہ ہو تو انسانی زندگی کس حد تک مجبور وبے بس اور لاچار ہو جاتی ہے گو کہ ان اعضا کے کام الگ الگ ہیں؛ تاہم ان میں کامل ہم آہنگی پائی جاتی ہے، جس کے بغیر انسانی زندگی کا تصور محال ہے، مثلاً سر میں درد ہو تو دوا کے لیے پاؤں چل کر جاتے ہیں، آنکھ آنسو بہاتی ہے، زبان اسے بیان کرتی ہے، دل ودماغ اسے محسوس کرتے ہیں، ہاتھ دوا پلانے میں مددگار ہوتے ہیں، وغیرہ۔ اگر ان اعضا وجوارح میں یہ مقابلہ آرائی شروع ہو جائے کہ کون قیمتی، کون اعلیٰ، کون بہتر، کون افضل ہے تو ظاہر بات ہے کہ جسم میں فساد پھوٹ پڑے گا اور پھر ایسے جسم کا خدا حافظ! اس جسم کے بے شمار تقاضے ہیں، مثلاً غذا، پانی، ہوا، نیند، راحت وسکون وغیرہ۔ اگر انسانی جسم کے یہ تقاضے بروقت پورے نہ ہوں تو انسانی زندگی کی نشو ونما اور قیام وبقا خطرے میں پڑ جائے۔

ٹھیک اسی طرح اسلام کے بیشمار تقاضے ہیں، مثلاً مساجد، مدارس، خانقاہوں کی تعمیر وتوسیع اور ان کے انتظامات، دار القضاء کا قیام؛ تاکہ طاغوت سے مکمل طور پر بچا جا سکے، قرآن مجید، حدیث شریف اور دیگر دینی کتابوں کی طباعت واشاعت، مسلمانوں کے عائلی قوانین میں حکومت

کی مداخلت پر روک، بیوہ و مطلقہ کے نکاحِ ثانی کا انتظام، فسادزدگان اور قدرتی آفات میں گھرے ہوئے مسلمانوں کی بازآبادکاری، جیل میں قید بے قصور مسلمانوں کی رہائی کے لیے کوششیں، دینی واسلامی تعلیمات سے دور مسلمانوں میں ایمان ویقین اوراعمالِ صالحہ کی بنیادی محنت، غیر مسلموں تک ان کی اپنی مادری زبانوں میں اسلامی لٹریچر کی تدوین واشاعت، وغیرہ۔ یہ فہرست بہت طویل ہے۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ ان سارے امور وتقاضوں کو امتِ مسلمہ کے بے شمار افراد، تنظیمیں وتحریکیں، جماعتیں، حلقے اور گروہ جزوی طور پر انجام دے رہے ہیں؛ چنانچہ ان میں سے کسی کے لیے بھی یہ ممکن نہیں کہ ان میں سے ہر ہر کام اور ہر ہر تقاضے کو کما حقہ پوری طرح انجام دیے جاسکے۔ ان کے لیے اس لیے زیادہ بہتر اور قابلِ عمل صورتِ حال یہی ہے کہ اپنے ذوق وشوق، رغبت وصلاحیت، طاقت وقوت اور حوصلہ وہمت کے مطابق، فنا فی اللہ وفنا فی الرسول کے جذبہ کے تحت، ان تقاضوں کو انجام دیں، اگر سارے تقاضوں کی طرف توجہ کی جائی گی تو ایک ہوگا نہ دوسرا۔ یہی امت میں اتحاد کی ممکن صورت بھی ہے۔۔ ان کے لیے مزید ضروری ہے کہ رمزو ایماء اور اشارہ وکنایہ میں بھی ایک دوسرے کی طرف طعن وتشنیع، بے جا تنقید، تنقیص، تقابل، تفاخر وغیرہ سے آخری حد تک پرہیز کیا جائے کہ یہ چیزیں امت کے اتحاد کے لیے سمِ قاتل کا درجہ رکھتی ہیں۔ دوسروں کی محنتوں اور خدمات کا اعتراف ہو۔ نیز جو کوئی جس کام کا اہل ہو اسے وہ کام کرنے دیا جائے۔ اور جس کسی کے اندر کسی مخصوص کام کو بجالانے کی صلاحیت نہ ہو تو وہ اس سے دور ہی رہے تو بہتر ہے کہ اس سے دوہرا نقصان ہے، ایک کام کے بگڑنے کا اور دوسرا کسی قابل شخص کی صلاحیتوں کے عدمِ استعمال کا۔ ایک دوسروں کو جوڑ کر رکھیں، اور سب سے آسان یہ ہے کہ خود سب سے جڑ جائیں۔ ان کے لیے مزید ضروری ہے کہ امت کے وسائل، مثلاً افرادی قوت، پیسہ روپیہ وغیرہ کا استعمال بڑی خوبی وعمدگی کے ساتھ حسبِ ضرورت کریں کہ ان کا ضرورت سے زیادہ استعمال کا مطلب اسلام کے دوسرے تقاضوں کے لیے وسائل کی کمی کی صورت میں ہی ظاہر ہوگا،

جس کا لازمی نتیجہ مختلف تقاضوں کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے امت کی کمزوری کے سوا کچھ نہیں۔ جس طرح انسانی جسم کے کسی عضو کا کمزور یا ناقص ہوجانا دوسرے اعضا کی کارکردگی کو متاثر کرتا ہے، ٹھیک اسی طرح ملتِ اسلامیہ کی کسی تنظیم کا کمزور و نحیف ہونا خود بخود دوسری تنظیموں کو کمزور بناتا ہے۔ الغرض تنظیموں، تحریکوں وغیرہ کا وجود ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہے۔

اتّحاد کے لیے ضروری ہے کہ عصبیت سے پوری طرح بچا جائے۔ علاقہ، نسل، رنگ، ملک، قوم، وطن، زبان، خاندان، حسب و نسب وغیرہ کی بنیاد پر گروہ بندی ہی عصبیت ہے۔ اگر کسی فرد یا گروہ کی کسی تقریر، تحریر یا عمل سے عصبیت کی بو آئے تو اسے فوری طور پر روکنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے کہ ایک آدمی کی شورش بھی بڑی چیز ہے۔ دیا سلائی کی ایک سلائی پوری دنیا کو جلا سکتی ہے، ٹھیک اسی طرح ایک انسان بھی پوری دنیا میں فتنہ برپا کرسکتا ہے؛ اس لیے ضروری ہے کہ عصبیت سے پوری طرح بچا جائے نیز ہر حال میں اتحاد کو قائم و دائم رکھا جائے؛ کیوں کہ یہ ایسی اجتماعی ضرورت ہے، جس کے بغیر کسی بھی خاندان و قوم کی بقا و ترقی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اتحاد کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ عصبیت ہے، یہ جذبات کو منفی سمت میں پروان چڑھاتی ہے۔ یہ اندھی ہوتی ہے، یہ عقل کو ماؤف اور مفلوج کرتی ہے، یہ تفریق اور بھید بھاؤ پیدا کرتی ہے، اس کی پکار جاہلیت کی پکار ہے۔ عصبیت اتحاد کی ضد ہے، جہاں عصبیت ہوگی، وہاں اتحاد قائم نہیں رہ سکتا۔ بالفاظ دیگر، جہاں اتحاد ہوگا، وہاں عصبیت کا گزر نہیں ہوسکتا۔ عصبیت کو چھوڑے بغیر امت میں اتحاد کی آرزو اور تمنا رکھنا ایسا ہی فضول ہے، جیسا کہ مشرق کی سمت میں سفر کرنا اور مغرب میں پہنچنے کے خواب دیکھنا۔ عصبیت، اتحاد کے لیے زہر ہلاہل ہے۔ پیارے آقا حضرت محمد...... نے سخت الفاظ میں اس سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے؛ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ جو عصبیت پر مرا وہ جہالت پر مرا اور جو عصبیت کا علمبردار ہو وہ ہم میں سے نہیں، اور جو عصبیت پر جنگ کرے وہ ہم میں سے نہیں

اور جس کی موت عصبیت پر ہو وہ بھی ہم میں سے نہیں۔ اتحاد ہی سب سے بڑا اصول ہے اور سب سے بڑی بے اصولی آپس کا تفرق۔ اتحاد زندگی ہے اور نا اتفاقی موت۔ اتحاد ترقی کی اولین شرط ہے۔ اور نا اتفاقی بربادی کا پہلا زینہ۔ متحد رہیں گے تو زمانہ ٹھوکر میں ہوگا اور منتشر ہوں گے تو زمانہ کی ٹھوکر میں ہم ہوں گے۔ یہی تاریخ کا سب سے بڑا سبق ہے؛ مگر شاید تاریخ کا یہی سب سے بڑا سبق ہے، جسے مسلمانوں نے سب سے زیادہ بھلا رکھا ہے۔ آج بھی وہ آپس میں ایسی بری طرح برسر پیکار ہیں، جیسے انھوں نے اپنے ماضی سے کچھ سیکھا ہی نہیں۔ پیارے آقا...... نے عصبیت کی ساری دیواروں کو گراتے ہوئے کالے گورے، عربی عجمی، چھوٹے بڑے، بادشاہ غلام، کے فرق کو مٹا کر عرب کے ابوبکر، حبشہ کے بلال، روم کے صہیب، فارس کے سلمان؛ وغیرہ کی مخفی صلاحیتوں کو پروان چڑھا کر نہ صرف رضی اللہ عنہم ورضوعنہ کے درجہ پر پہنچا دیا تھا؛ بلکہ اسلام کے تقاضوں کو پورا کرنے میں بھی استعمال کر کے انسانیت کے باغ کو سینچ کر نوعِ انسانی کو ایک خاندان میں تبدیل کر دیا تھا، جس کے نتیجے میں انسانی معاشرہ ایک بے خار گلدستہ بن گیا تھا؛ مگر ہم امتیوں کا حال یہ ہے کہ عصبیت کا طوق غلامی گلے میں ڈال کرامت کے شیرازہ کو بکھیرتے ہوئے اپنے سے قریب لوگوں کو دور کر کے انسانیت کو خانہ درخانہ تقسیم کرتے ہوئے، اللہ کے بندوں کو اس کے خالق و مالک سے دور کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ شاید اس زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے آقا کی منشا اور اس کے غلاموں کے کاموں میں اس سے زیادہ تضاد کہیں نہیں۔

قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ میں بڑی کثرت سے اتحاد کو قائم رکھنے اور آپسی خلفشار و انتشار سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے؛ مگر ان سب کے باوجود بھی خلفشار و انتشار عام مرض ہے اور امت کو گھن کی طرح کھائے جا رہا ہے اور عصبیت کے روگ کی بو ہر جگہ محسوس ہوتی ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کی روشن آیتیں اور پیارے آقا حضرت محمد...... کی احادیثِ

مبارک کہ اب ہمارے علم کا حصہ نہیں رہیں؛ بلکہ وہ ہمارے ذہن کے گوشے میں معلومات کے درجہ میں باقی ہیں، ورنہ کیا عجب ہے کہ وہ ہماری عملی زندگی کا حصہ نہیں ،بعض لوگ ہمارے انتشار کو اغیار کی سازشوں کا حصہ قرار دے کر اپنی غلطی سے پہلو تہی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اس میں اغیار کی ریشہ دوانیاں شامل حال ہیں تب تو یہ بات ثابت ہوئی جاتی ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے؛ مگر ہم اپنی ایمانی فراست و بصیرت کو کام میں نہ لا سکے، جس کے لیے ہم خود ذمہ دار ہیں؛ بلکہ زیادہ صاف لفظوں میں اگر کہہ دیا جائے تو یہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ کوئی شخص اپنے گناہوں کے لیے شیطان کو ذمہ دار ٹھرائے۔ بعض لوگ یہ کہتے پھرتے ہیں کہ اغیار اپنے باطل افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت کے لیے امت مسلمہ کے افراد کو عورت، دولت و شہرت، جاہ و منصب اور حکومت و سیاست کی لالچ دے کر امتِ مسلمہ کے اندر پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر اسے بھی درست مان لیا جائے تب بھی قصور ہمارا اپنا ہی سامنے آتا ہے کہ ہم نے اپنے افراد میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید محبت، جنت کا شوق، جہنم کا خوف اور آخرت میں خدا کے حضور جوابدہی کا احساس پیدا کرنے میں بری طرح ناکام ہو گئے ہیں۔

اتحاد کا مطلب اور اس کے تقاضے

پہلی بات یہ کہ اتحاد کسے کہتے ہیں اور اس کے تقاضے کیا ہیں؟ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ کسی قوم کے درمیان اختلافات پیدا نہ ہونے کو اتحاد کہا جاتا ہے۔ یعنی اتحاد کے لیے یہ ضروری ہے کہ اول تو اختلاف پیدا نہ ہو اور اگر کسی مسئلے پر اختلاف پیدا ہو جائے تو یہ اتحاد ختم ہو جائے۔ میں یہ گزارش کرنا چاہوں گا کہ یہ دونوں باتیں درست نہیں ہیں۔ کیونکہ اختلاف ایک فطری امر ہے، جہاں بھی انسان باہم اکٹھے ہوں گے ان کے درمیان اختلاف پیدا ہو گا، یہ عقل و فطرت کا تقاضہ ہے

اور اسلام اس کی نفی نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عقل و فہم کے مختلف درجات سے نوازا ہے، مزاج الگ الگ ہیں، اور نفسیات میں بے پناہ تفاوت ہے، اس لیے اختلاف پیدا نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ بات بھی درست نہیں ہے کہ اختلاف کو ختم ہو جانا چاہیے، اس لیے کہ اختلاف اگر پیدا ہوگا تو وہ باقی بھی رہے گا۔ ہمیں اس بات کو ملحوظ رکھنا ہوگا کہ اختلاف اور چیز ہے جبکہ تفرقہ اور چیز ہے۔ قرآن کریم نے اختلاف سے کسی جگہ بھی منع نہیں کیا البتہ تفرقہ سے منع کیا ہے۔ چنانچہ اتحاد بین المسلمین پر گفتگو کرتے ہوئے میں اس نکتہ کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں اور اس سلسلے میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیسیوں ارشادات میں سے دو کا ذکر کرنا چاہوں گا۔

بخاری شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسجد نبویؐ میں ایک صاحب نماز پڑھ رہے تھے جس میں وہ بلند آواز سے قرأت کر رہے تھے۔ انہوں نے قرآن کریم کی ایک آیت پڑھی جو اس طرح نہیں تھی جس طرح حضرت عمرؓ نے جناب رسول اللہؐ سے پڑھی تھی۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ چونکہ وہ میرے حساب سے قرآن کریم کی آیت غلط پڑھ رہا تھا اس لیے مجھے سخت غصہ آیا، قریب تھا کہ میں نماز کے دوران ہی اسے دبوچ لیتا مگر میں نے صبر کیا اور اس کے نماز مکمل کرنے کا انتظار کیا۔ جونہی اس نے نماز مکمل کی میں نے اس کے گلے میں چادر ڈالی اور کھینچتا ہوا اسے جناب رسول اللہؐ کے پاس لے گیا کہ یا رسول اللہ! یہ شخص نماز میں قرآن کریم غلط پڑھ رہا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ پہلے اس کی گردن تو چھوڑو، میں نے اسے چھوڑ دیا تو آپؐ نے اس سے فرمایا کہ وہ آیت جس طرح تم پڑھ رہے تھے اب پڑھ کر سناؤ۔ اس نے سنا دی۔ پھر مجھے فرمایا کہ جس طرح تمہیں یاد ہے تم سناؤ۔ میں نے بھی سنا دی۔ اس پر نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ اس نے بھی ٹھیک پڑھا ہے اور تم نے بھی درست پڑھا ہے۔

یہ دراصل قرأتوں کا اختلاف تھا۔ کسی بھی زبان میں بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں جن کا تلفظ

اور لہجہ علاقوں اور قوموں کے فرق سے بدل جاتا ہے لیکن معنیٰ ایک ہی رہتا ہے۔ لفظ بھی بنیادی طور پر وہی ہوتا ہے لیکن لہجہ اور تلفظ بدل جاتا ہے اور بعض اوقات سپیلنگ بھی بدل جاتے ہیں۔ میں مثال کے طور پر پنجابی کے ایک لفظ کا حوالہ دوں گا کہ ہمارے ہاں کسی کام کی کیفیت پوچھنے کے لیے ''کیویں'' کا لفظ بولا جاتا ہے۔ لیکن اس لفظ کے مختلف تلفظ میں کہیں یہ لفظ کیویں ہے، کہیں کداں ہے، کہیں کیکن ہے، کہیں کنجو ہے، اور کسی علاقے میں اسے کیاں کے تلفظ کے ساتھ بولا جاتا ہے۔ یعنی لفظ اور معنیٰ ایک ہی ہے لیکن تلفظ اور ادائیگی مختلف ہے۔ یہ زبان پر علاقائی اثرات ہوتے ہیں جنہیں ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

چنانچہ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ جناب رسول اللہؐ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم جب نازل ہوا تو اسے قریش کے لہجے اور تلفظ میں پڑھنے کی پابندی تھی۔ آپؐ نے بارگاہ ایزدی میں خود درخواست کی کہ ایک ہی لہجے اور تلفظ کا سب عربوں کو پابند بنانے سے بہت سے عرب قبائل کو قرآن کریم پڑھنے میں دقت پیش آسکتی ہے اس لیے اس معاملے میں سہولت پیدا کی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری استدعا پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو سات مختلف لہجوں اور قراءتوں میں پڑھنے کی اجازت دے دی تاکہ تمام لہجوں اور قراءتوں کے ساتھ لوگ آسانی کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کر سکیں۔ اب یہ اختلاف ایسا ہے جو آنحضرتؐ نے خود مانگ کر لیا ہے اس لیے کہ یہ فطری ضرورت تھا۔

دوسرا واقعہ بھی بخاری شریف میں ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عام طور پر معمول یہ تھا کہ ہر نماز کے لیے مستقل الگ وضو فرماتے تھے، لیکن حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے ایک ہی وضو کے ساتھ پورے دن کی نمازیں پڑھ ڈالیں۔ حضرت عمرؓ نے اس بارے میں دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے آج ایسا کام کیا ہے جو اس سے پہلے آپ نہیں کیا کرتے تھے۔ آنحضرتؐ

نے فرمایا کہ میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ ہر نماز کے لیے الگ وضو کرنا اگرچہ بہت اجر و ثواب کی بات ہے لیکن اس کی پابندی سے بہت سے لوگوں کو دقت ہوگی۔ اس لیے حضورؐ نے ایک وضو کے ساتھ کئی نمازیں ادا کر کے اسے بھی سنت میں شامل فرمالیا تاکہ کسی کو ایسا کرتے ہوئے کوئی الجھن نہ ہو۔ یہ صرف ایک مثال میں نے ذکر کی ہے اس طرح کی بیسیوں بلکہ سینکڑوں مثالیں موجود ہیں کہ ایک کام کو جناب رسول اللہؐ نے مختلف مواقع پر مختلف طریقوں سے انجام دیا تاکہ طریقوں میں تنوع ہو اور لوگوں کو اپنی سہولت کے مطابق ان میں سے کوئی طریقہ اختیار کرنے میں یہ پریشانی نہ ہو کہ حضورؐ نے تو ایسا نہیں کیا تھا۔

اس سے آپ اندازہ کرلیں کہ اسلام نے اختلاف کی نفی نہیں کی بلکہ اس کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کا احترام کیا ہے اور اسے برقرار رکھا ہے۔ البتہ اسلام نے اختلاف کی حدود کا تعین کیا ہے اور ہر اختلاف کو اس کے دائرے میں رکھنے کی ہدایت کی ہے۔ اختلاف کی حدود میں پہلی بات تو یہ سمجھنے کی ہے کہ جہاں اختلاف کی گنجائش ہو وہاں اختلاف کیا جائے اور جہاں اختلاف کی گنجائش نہ ہو وہاں اختلاف کرنے سے گریز کیا جائے۔ یہ بات سمجھنے کے لیے بریرہؓ کے ایک واقعہ کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے اپنی باندی بریرہؓ کو آزاد کر دیا تو وہ ایک صحابی مغیثؓ کے نکاح میں تھیں۔ آزاد ہونے کے بعد شرعی طور پر بریرہؓ کو یہ حق حاصل ہوگیا تھا کہ وہ اگر مغیثؓ کے نکاح میں نہ رہنا چاہے تو اس سے علیحدگی اختیار کرلے۔ بریرہؓ نے ایسا ہی کیا اور مغیثؓ سے نکاح ختم کرلیا۔ اس پر مغیثؓ کو پریشانی ہوئی اور اس نے مختلف اطراف سے بریرہؓ کو واپسی پر آمادہ کرنے کے لیے کوششیں شروع کر دیں حتیٰ کہ بخاری شریف کی روایت کے مطابق مغیثؓ کی حالت یہ ہوگئی تھی کہ وہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں گھومتے

رہتے تھے، آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے تھے اور لوگوں سے کہتے تھے کہ کوئی ہے جو بریرہؓ کو منا لائے؟ حضورؐ نے یہ صورتحال دیکھ کر خود بریرہؓ سے بات کی اور اس بارے میں اس سے پوچھا۔ بریرہؓ نے جواب دیا کہ یہ میرا شرعی حق تھا جو میں نے استعمال کیا ہے کیونکہ میں مغیثؓ کے نکاح میں نہیں رہنا چاہتی۔ آپؐ نے پوچھا کیا تم اپنا یہ فیصلہ واپس نہیں لے سکتیں؟ اس نے بڑے ادب سے پوچھا کہ یارسول اللہ! یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ ہے؟ بڑی سمجھدار خاتون تھی، اور کیسے نہ ہوتی کہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں رہ رہی تھی۔ میں یہ عرض کیا کرتا ہوں کہ اس نے یہ سوال کر کے ایک حد فاصل قائم کر دی کہ جناب نبی اکرمؐ کے کسی حکم کو نہ ماننے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، البتہ مشورہ کی صورت میں اختیار باقی رہتا ہے۔ جب حضورؐ نے فرمایا کہ میں حکم نہیں دے رہا بلکہ مشورہ دے رہا ہوں تو اس نے بے ساختہ کہا کہ میں اپنے فیصلہ پر قائم ہوں اور مجھے مغیثؓ کے پاس جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہر جگہ اختلاف کی گنجائش نہیں ہوتی اور اختلاف وہیں کیا جا سکتا ہے جہاں اس کی گنجائش ہو۔ مثلاً قرآن کریم کے کسی حکم کو سمجھنے اور اس کا مصداق طے کرنے میں تو اختلاف ہو سکتا ہے لیکن نفس حکم سے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ارشاد اور عمل کا مفہوم و منشا متعین کرنے میں تو اختلاف کی گنجائش ہے لیکن ارشاد و عمل سے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لہٰذا اختلاف کی حدود میں پہلی بات یہ ضروری ہے کہ اس امر کا لحاظ رکھا جائے کہ کہاں اختلاف کی گنجائش ہے اور کہاں نہیں ہے۔

اس سلسلے میں دوسری بات یہ ضروری ہے کہ ہر اختلاف کو اپنی سطح پر اور اپنے درجہ میں رکھا جائے۔ ہمارے ہاں اختلاف پر ایک دوسرے کے خلاف فتویٰ بازی کا جو رجحان زور پکڑ گیا ہے یہ درست نہیں ہے۔ ہر اختلاف کفر و اسلام کا نہیں ہوتا اور نہ ہی ہر اختلاف حلال و حرام کا ہوتا ہے۔

بعض جگہ صرف اولیٰ و غیر اولیٰ اور ترجیحات کا اختلاف ہوتا ہے۔ مگر ہمارے ہاں فتویٰ بازی ہر اختلاف کے حوالے سے یکساں ہوتی ہے جس پر نظر ثانی کی ضرورت ہے اور اس رجحان پر قابو پانا وحدت امت کے لیے آج کے دور کا سب سے بڑا تقاضہ ہے۔ اس سلسلہ میں جناب نبی اکرمؐ کے ایک ارشاد گرامی کا حوالہ دوں گا جس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے کسی مسلمان کو کافر کہا اگر وہ کافر نہ ہو تو کفر کا فتویٰ کافر کہنے والے پر واپس لوٹ آئے گا۔ اور جس شخص نے کسی مسلمان پر لعنت بھیجی ہے جبکہ وہ لعنت کا مستحق نہیں تو یہ لعنت بھیجنے والے پر واپس آئے گی۔ یہی فتوے ہمارے ہاں سب سے بڑے فتوے شمار ہوتے ہیں جن کی اہمیت اور نزاکت جناب نبی اکرمؐ نے ان ارشادات گرامی میں بیان فرمائی ہے۔ اگر اختلافات کی حدود کو قائم رکھا جائے اور بلاوجہ فتویٰ بازی سے گریز کر کے ہر اختلاف کو اس کی سطح پر اور اس کے دائرے میں محدود رکھا جائے تو یہ اختلاف امت کے اتحاد میں رکاوٹ نہیں ہے، بلکہ یہ اختلافات نہ صرف فطرت کا تقاضہ اور رحمت ہیں بلکہ ہماری معاشرتی ضرورت کا درجہ رکھتے ہیں۔

وحدت امت کے لیے آنحضرتؐ کے ارشادات

اس کے بعد یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ جناب رسول اللہؐ نے اپنے بہت سے ارشادات میں ہمیں باہمی وحدت برقرار رکھنے کی تلقین کی ہے اور اس کے تقاضوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ان میں سے چند ایک کا تذکرہ کر رہا ہوں۔

حجۃ الوداع کے تاریخی خطبے میں جناب رسالت مآبؐ نے دور جاہلیت کے خاتمے کا اعلان کر کے اسلام اور روشنی کے دور کا آغاز کیا اور یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا کہ ''کل امر الجاہلیۃ تحت قدمی موضوع'' کہ جاہلیت کی تمام اقدار آج میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔ ان میں شرکت و بدعت، نسل

پرستی، زبان و رنگ کا امتیاز، بدکاری، شراب، جوا، سود، کہانت و نجوم، ناچ گانا، عریانی، اور باہمی قتل و قتال کی جاہلی اقدار شامل تھیں جنہیں جناب رسول اللہؐ نے تیئیس سالہ محنت کے ساتھ ختم کیا اور ان جاہلی اقدار سے پاک اسلامی معاشرے کا آغاز فرمایا۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ آج یہ تمام اقدار ایک ایک کر کے پھر ہمارے معاشرے کا حصہ بن گئی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان روایات کا ابوجہل، ابولہب، نضر بن حارث، اور دیگر کافر سرداروں کے حوالہ سے ذکر کیا جاتا ہے تو وہ جاہلی اقدار کہلاتی ہیں جبکہ وہی اقدار ہماری سوسائٹی کا حصہ بنتی ہیں تو تمدن، سولائزیشن، ترقی، یا آرٹ کا عنوان اختیار کر لیتی ہیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرتؐ نے اپنے خطبے میں ہمیں اس بات کی تلقین بھی فرمائی تھی کہ میرے بعد کفر و جاہلیت کے دور کی طرف واپس نہ پلٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسرے کا خون بہانا اور باہمی قتل و قتال کسی بھی عنوان سے ہو، اسے جناب رسول اللہؐ نے کفر و جاہلیت سے تعبیر کیا ہے جبکہ ایک حدیث میں اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب کی ایک صورت قرار دیا ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لیے چار باتوں کا سوال کیا، اللہ تعالیٰ نے ان میں سے تین چیزیں عطا فرمائیں لیکن ایک نہیں دی۔ میں نے سوال کیا کہ میری امت پر مجموعی طور پر پہلی امتوں جیسا عذاب نازل نہ ہو، یہ بات اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی۔ میں نے عرض کیا کہ میری امت یکبارگی گمراہی کا شکار نہ ہو، یہ بات بھی قبول کر لی گئی۔ میں نے گزارش کی کہ میری امت ساری کی ساری یکبارگی تباہ نہ ہو، یہ بات بھی قبول ہوگئی۔ میں نے عرض کیا کہ میری امت آپس میں نہ لڑے تو یہ بات اللہ تعالیٰ نے قبول نہیں فرمائی۔ جبکہ ایک اور حدیث میں ہے کہ جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ میری امت پر جب اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوگا تو اس کی عملی صورتیں تین ہوں گی۔ ایک یہ کہ میری امت کے لوگ آپس میں لڑیں گے اور ایک

دوسرے کا خون بہائیں گے۔ دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ امت کے شریر لوگوں کو ان پر مسلط کر دیں گے۔ اور تیسرا یہ کہ امت کے نیک لوگوں کی دعائیں بھی قبول نہیں ہوں گی۔

ایک حدیث میں ہے کہ جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں، اگر ایک عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم اس تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔ یعنی آنکھ کو تکلیف ہو تو سارا جسم اسے محسوس کرتا ہے اور اگر پاؤں کو کو درد تو جسم کے سارے اعضاء اسے محسوس کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، اس لیے کوئی مسلمان نہ اپنے دوسرے بھائی پر خود ظلم کرتا ہے اور نہ ہی اسے ظلم کے لیے کسی دوسرے کے حوالے کرتا ہے۔

ان ارشادات نبویؐ کی روشنی میں دیکھا جائے تو امت کے موجودہ افتراق کے اسباب کو تلاش کرنا کچھ مشکل کام نہیں ہے۔ آج کے دور کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم امت کے افتراق کے اصل اسباب کو تلاش کریں اور انہیں دور کرنے کی کوشش کریں کیونکہ جناب رسول اللہؐ نے ہمیں اسی کی تلقین فرمائی ہے اور اس حوالے سے ہماری یہی دینی وملی ذمہ داری ہے۔

اِتحادواتفاق اسلامی مُعاشرے میں امن وسلامتی کا سرچشمہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم پر اسلام ہی کی حالت میں موت آنی چاہئے، سب مل کر اللہ کی رسّی کو تھام لو، پھوٹ نہ پیدا کرو اور اپنے اللہ کے اس انعام کو یاد کرو کہ تم آپس میں دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اللہ کے کرم سے بھائی بھائی بن گئے، نیز تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے ،تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے نکالا ، اللہ تعالیٰ اسی طرح تم لوگوں کو احکام بتاتا رہتا ہے، تاکہ تم ہدایت پر قائم رہو۔ (سورۂ آل عمران ۱۰۲-۱۰۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، لہٰذا اپنے دو بھائیوں کے درمیان میل ملاپ کرادیا کرو۔ (سورۃ الحجرات: ۱۰) یہ نہایت ہی اہم فریضہ ہے، افسوس کہ اس کی اہمیت اور معاشرے کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کا نہ ادراک ہے اور نہ احساس۔ حضرت ابودرداءؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں روزہ، صدقہ اور زکوٰۃ سے بھی افضل چیز بتاؤں؟ ہم لوگوں نے عرض کیا: کیوں نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ ہے باہمی خلش کو دور کرنا اور صلح کرانا، اصلاحِ ذات البین۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ آپس میں تعلقات کا بگاڑ، مونڈ دینے والی چیز ہے۔ (الادب المفرد، حدیث: ۳۹۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے اور ان کے باہمی اختلافات کو رفع کرنے کا کس قدر پاس ولحاظ تھا۔

اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ باوجود یہ کہ نماز میں جماعت کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حد درجہ اہتمام تھا، عین میدانِ جنگ میں بھی غیر معمولی حالات کے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جماعت نہیں چھوٹتی تھی اور مرضِ وفات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جماعت میں شرکت کا اہتمام فرمایا، جب خود چلنے کی طاقت باقی نہیں رہی، تب بھی رفقاء کی مدد سے شریک جماعت ہونے کی کوشش فرمائی، لیکن اس کے باوجود قبیلۂ بنی عمرو بن عوف میں ایک جھگڑا رفع کرنے اور مصالحت کرانے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رفقاء کے ساتھ بہ نفس نفیس تشریف لے گئے اور اس فریضۂ مصالحت میں اتنی تاخیر ہوگئی کہ حضرت بلالؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو امامت کے لئے آگے بڑھادیا، نماز شروع ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ (صحیح بخاری: ۲۶۹)،

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ میں مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کی کیا اہمیت تھی۔

صحابہؓ وتابعینؒ اور ائمہ مجتہدین کے دور کی وہ تاریخ بھی سامنے رکھنا ضروری ہے کہ تعبیر کتاب وسنت کے ماتحت جوان میں اختلاف رائے پیش آیا، اس پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں کہ اس نے جنگ وجدال کی صورت اختیار کی ہو، باہمی اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا اور تمام برادرانہ تعلقات قائم رہنا اس پوری تاریخ کا اعلیٰ شاہ کار ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اختلاف قرآن وسنت کی بنیاد پر اخلاص وللہیت کے ساتھ ہو اور اختلاف کرنے والوں میں وہ اہلیت بھی موجود ہو جو اس کے لئے ضروری ہے، تو یہ اختلاف ممنوع نہیں، بلکہ امت کے لئے رحمت ہے۔

اختلاف ایسے مسائل میں ہو، جن میں قرآن وسنت نے کوئی دوٹوک فیصلہ نہ کیا ہو، ایسے مسائل جن میں اجتہاد کی گنجائش ہوتی ہے، یعنی ایک سے زیادہ آراء کا احتمال ہوتا ہے، ان میں جو فریق بھی جو رائے دلائل کی بنیاد پر قائم کرلے، وہ ناجائز اور ناپسندیدہ نہیں ہوتی۔ دلائل کی روشنی میں اپنی جو بات بھی راجح ہو، اسے صواب، محتمل خطا اور فریق مخالف کی رائے کو خطا، محتمل صواب سمجھا جائے، اس سے اختلاف اپنے دائرے میں رہے گا اور منافرت کی نوبت نہیں آئے گی، ورنہ اپنی رائے پر اصرار تفرقہ اور انتشار کا سبب ہوسکتا ہے۔

اختلاف رائے کے حوالے سے یہ اصول بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ اختلاف کی نوعیت خواہ کیسی بھی ہو، اس میں سنجیدگی، متانت اور وقار کے دامن سے وابستہ رہنا ضروری ہے۔ لڑائی، جھگڑا، گالم گلوج اور طعنہ زنی سے بچنا لازمی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور لوگوں سے بہتر طریقے سے گفتگو کرو''۔ (سورۃ نحل: ۱۲۵)

اس لیے کہ مقصد حق کی تفہیم اور تبلیغ ہے، جس کے لیے نرم خوئی اور دل سوزی، شفقت اور ہمدردی، خوبصورت انداز بیان اور مشفقانہ لب ولہجہ مطلوب اور مفید ہے۔ سختی وتلخی، بداخلاقی اس راہ میں نہایت مضر اور بے نتیجہ ہے۔ اللہ عزوجل نے فرعون جیسے سرکش اور گمراہ کے پاس حضرت موسیٰؑ

اور حضرت ہارونؑ جیسے پیغمبر اور مصلح کو بھیجتے ہوئے حکم دیا: ''تم دونوں اس سے نرم لہجے میں گفتگو کرو، ہوسکتا ہے کہ وہ نصیحت قبول کرلے''۔(سورۂ طٰہٰ: ۴۴)

ہم میں سے کوئی پیغمبر سے بڑھ کر ہمدرد اور مصلح نہیں ہوسکتا اور نہ اسے معلوم ہے کہ اس کا مخاطب بہرحال باطل پر قائم رہے گا تو ایسی حالت میں سخت اور دل آزار گفتگو کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے۔

اجتہادی مسائل اور فقہی و علمی اختلاف میں یہ طریقہ ہونا چاہیے کہ اپنے مسلک کو چھوڑا نہ جائے اور دوسرے کے مسلک کو چھیڑا نہ جائے ، نہ چھیڑنے کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ علمی تنقید نہ کی جائے ، بلکہ علمی تنقید کا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھنا چاہیے ، البتہ اسے لڑائی ، جھگڑا اور دلوں میں دوری کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے۔ کشادہ دلی کے ساتھ اختلاف اور تنقید کو برداشت کرنا چاہیے، نیز کسی کو اپنے خیال اور رائے کا پابند نہیں بنانا چاہیے۔ یہ ایک بے جا اور غیر فطری خواہش ہے کہ تمام لوگ کسی ایک رائے پر جمع ہوجائیں، اپنے مسلک و مذہب کو دلائل کے ساتھ بیان کرنے میں اور اسے راجح قرار دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اس کی طرف دعوت دینا غلط ہے۔ اس لیے کہ دعوت دین کی طرف ہونی چاہیے، نہ کہ مسلک و مذہب کی طرف۔

حضرت یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ اہل فتویٰ کے درمیان ہمیشہ بعض چیزوں کے حلال و حرام ہونے میں اختلاف رہا ہے، لیکن حلال یا حرام قرار دینے والوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے متعلق یہ خیال نہیں کرتا کہ جسے وہ حلال یا حرام سمجھ رہا ہے، دوسرا اس کے برخلاف سمجھنے کی وجہ سے ہلاک ہوگیا۔(جامع بیان العلم ۲/ ۸۸)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جو آدمی کسی علمی و فقہی مسئلے میں مجھ سے اختلاف رکھتا ہے، میں اس سے یہ نہیں کہتا کہ وہ اللہ سے توبہ کرے، کیونکہ توبہ گناہوں سے ہوتی ہے اور ایسا آدمی گنہگار نہیں ہوتا ، بلکہ ایک یا دو ثواب کا حقدار ہوتا ہے''۔(اختلاف رائے آداب و احکام، ڈاکٹر سلمان فہد عودہ/ ۱۰۳)

دین اسلام اپنے ماننے والوں کو نہ صرف اَمن و آشتی، تحمل و برداشت کی تعلیم دیتا ہے، بلکہ ایک دوسرے کے عقائد و نظریات اور مکتب و مشرب کا احترام بھی سکھاتا ہے۔قرآن مجید اور تعلیماتِ نبویؐ سے یہ امر ثابت ہے کہ ملت کا اتحاد و اتفاق اس کے استحکام کی ضمانت ہے۔خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں فرمان الٰہی ''**انّما المؤمنون اخوۃ**'' کی روشنی میں امت کو متحد رکھا اور ہمیشہ مسلمانوں کو باہم متحد و متفق رہنے کی عظیم تعلیمات عطا کیں، جن پر عمل کر کے یہ امت فرقہ واریت سے نجات پا سکتی ہے۔

ارشادِ نبوی ہے:۔''مومن، مومن کے لیے دیوار کی مانند ہے، جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوطی دیتا ہے''۔''مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں''۔قرآن و سنت کی یہ تعلیمات اختلافِ رائے اور فقہی و مسلکی اختلافات کے حوالے سے رہنمائی کا سرچشمہ ہیں۔ جو یہ اصول عطا کرتے ہیں کہ اسلامی معاشرے میں امن و سلامتی، تحمل و برداشت اور مذہبی رواداری بنیادی اہمیت کے حامل ہیں، جن پر عمل پیرا ہو کر ہی ہم ایک مثالی اور پُرامن اسلامی معاشرے کی تشکیل کر سکتے ہیں۔

اتحاد امت اور اس کی حقیقی بنیادیں

رسول اکرم کی بعثت اس لئے عمل میں آئی تا کہ آپ اپنی کوششوں اور جدو جہد سے اسلام کو غالب کر سکیں۔روئے زمین پر قرآنی قانون کا نفاذ ہو،باطل نظام کا خاتمہ ہو کر نظامِ حق قائم ہو سکے اور دنیا شیطانی راہوں سے نکل کر ایک خدا کی عبادت میں لگ جائے۔ہر شخص میں دینی رنگ غالب آجائے کہ جس طرف بھی نظر دوڑائی جائے قرآن کی حکمرانی نظر آئے اور ایسا محسوس ہو کہ دنیا اب شرک وکفر کی غلاظتوں اور اس کے اثرات سے پاک ہوگئی ہے۔اس کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے:

''وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اسے پوری جنس دین پر غالب کر دے خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی نا گوار ہو۔'' (التوبہ 33)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر اس دنیا میں اسلام کا عادلانہ نظام قائم ہو جائے تو دنیا شراب ،جوا، رشوت، زنا، چوری، ڈاکہ زنی، ظلم و زیادتی اور دیگر تمام منکرات سے پاک ہو جائے گی۔ عورتوں کی آبرو محفوظ رہے گی، لوگوں کی جان و مال کا تحفظ ہوگا اور ایک پاکیزہ ماحول کی تشکیل عمل میں آئے گی جس کے نتیجے میں معاشرہ اور سماج بہتر ہوگا اور ہر آدمی آزادانہ اور پرسکون زندگی بسر کر سکے گا جو اسلام کی آمد اور رسالت کا اہم مقصد ہے اور ظاہر ہے کہ نظام حق کے نفاذ کیلئے اسلامی اقتدار کی ضرورت ہے جس کے ذریعے حدود و کفارات نافذ ہوں گے، معیشت، سیاست، عدالت اور زندگی کے ہر شعبے میں قرآن کے مطابق عمل ہوگا اور اس طرح دنیا مظالم سے پاک ہوگی، ورنہ وہ افراد جن کے ہاتھ میں قانون، سیاست، عدالت، معیشت اور تہذیب و تمدن نہ ہو اور نہ ملکی نظام ہو وہ ہزار چاہنے کے باوجود معاشرے میں صالح انقلاب نہیں لا سکتے اور نہ دنیا منکرات سے پاک ہو سکتی ہے اسی لئے رسول اکرم جس وقت مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لا رہے تھے آپ کی زبان اقدس پر جو جملہ جاری تھا اس کا اہم جز حصول اقتدار کی دعا پر مشتمل تھا۔ (بنی اسرائیل 80)

اس سے معلوم ہوا کہ نظام حق کے قیام کیلئے اقتدار اور فرماں روائی نہایت ضروری ہے، اس کے بغیر اس کا تصور محض خواب ہے جو شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا اور اقتدار اور غلبۂ دین کیلئے مسلمانوں کے درمیان اجتماعیت اور اتحاد کی سخت ضرورت ہے اسی لئے مذہب اسلام نے اس پر بڑا زور دیا ہے کہ اس قدر تاکید دنیا کے کسی مذہب نے نہیں دی۔

اسی اتحاد اور اجتماعیت کی غرض سے جب آپ مدینہ تشریف لائے تو اہل کتاب سے فوری معاہدہ کیا تا کہ اسلام داخلی انتشار سے محفوظ رہے اور آپ مدینہ سے باہر دیگر قوتوں کا

مقابلہ کر سکیں۔ اسی طرح آپ نے خانۂ کعبہ کی از سر نو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا اور آپ نے چاہا کہ بِنائے ابراہیمی پر اس کو کر دیا جائے لیکن مسلمانوں کے اختلاف اور شکوک و شبہات میں پڑنے کے اندیشے کی وجہ سے اس ارادے کو ترک فرما دیا۔ رسول اکرم نے مسلمانوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میرے بعد کچھ ظالم اور ناحق خلفاء خلافت کے عہدے پر فائز ہوں گے، وہ اگرچہ نااہل ہوں گے لیکن تم ان سے اختلاف نہیں کرنا، ان کی اطاعت اور فرماں برداری تمہارے ذمے واجب ہے خواہ وہ تمہاری پشت پر کوڑے برسائیں۔ (صحیح بخاری)

اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر خلیفہ کے خلاف آواز اٹھائی جائیگی تو اختلاف پیدا ہوگا، دونوں طرف سے تلواریں اٹھیں گی جس کے نتیجے میں خانہ جنگی ہوگی، اسلامی نظام متاثر ہوگا اور باطل طاقتوں کو اس طرف نظر اٹھانے کا موقع ہاتھ آجائے گا چنانچہ حجاج بن یوسف ظالم بادشاہ تھا۔ اسلامی تاریخ میں بدنام ترین خلفاء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان کے زمانہ میں اکابر صحابہؓ موجود تھے لیکن کسی نے ان کے خلاف آواز نہیں اٹھائی۔ تقریباً سبھی نے ان کی خلافت کو تسلیم کرتے ہوئے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیا تھا اس لئے کہ اگر آواز اٹھاتے تو اسلامی حکومت کمزور پڑ جاتی اور نئے فتنے پیدا ہو جاتے۔ اگرچہ وہ ظالم تھا لیکن پھر بھی اسلامی سرحد کی حفاظت کر رہا تھا۔ اسلامی نظام کسی نہ کسی حد تک قائم تھا۔ اسلام اور مسلمانوں کی جانب سے دفاع ہو رہا تھا اور اسلامی پرچم بلند تھا جو رسالت کا مشن ہے۔

حضرت عثمان غنیؓ نے صحابۂ کرامؓ اور مسلمانوں کی اجتماعیت باقی رکھنے کی غرض سے مصحف عثمانی کے علاوہ تمام مصاحف جلا دیئے تھے تاکہ مختلف انداز کی تلاوت کی وجہ سے مسلمان اختلاف اور کسی فتنے کے شکار نہ ہوں اور وہ سب ایک قرآن پر جمع ہو سکیں۔ اسی کا اثر ہے کہ قرآن کے باب میں آج تک کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا اور ملت اسلامیہ متحد اور ایک ہے۔ اتحاد اور یکجہتی کا اس قدر اہتمام اس لئے کیا گیا ہے کہ اتحاد سب سے بڑی طاقت اور قوت ہے۔ اس میں ایٹم بم اور بارود سے

بھی زیادہ طاقت ہے۔ اگر افراد بہت زیادہ ہوں مگر ان میں انتشار ہو تو کثرت کے باوجود ان کی دنیا میں کوئی حیثیت نہیں اور اگر افراد کہیں کم ہوں تاہم اتحاد ہو تو اقلیت کے باوجود ان کی طاقت زیادہ ہوگی اسی لئے کہا گیا ہے کہ متحد اقلیت منتشر اکثریت سے ہزار گنا زیادہ بہتر ہے۔ اسی طرح جہاں اتحاد ہو وہاں ظاہری اسباب و وسائل کی کمی کے باوجود دنیا پر اس کا رعب ہوگا اور بڑی بڑی طاقتیں اس قوم کی طرف نگاہ نہیں اٹھا سکتیں اور جس قوم کے پاس مادی طاقت بہت ہو لیکن اندرونِ خانہ خلفشار اور اختلاف کا شکار ہو وہ ساری طاقت رکھنے کے باوجود کمزور ہے، اس سے کوئی ڈرنے والا نہیں ہوگا۔ آپ نے کتوں پر بچوں کو ڈھیلا پھینکتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ کتے ہزار بھی ہوں گے پھر بھی ایک ڈھیلا ان سب کو بھگانے کیلئے کافی ہے کیونکہ ان میں اتحادی قوت نہیں اس لئے وہ مقابلہ نہیں کر سکتے لیکن شہد مکھیوں پر کسی کو ڈھیلا مارنے کی قوت نہیں اور نہ کوئی اس کی حماقت کرتا ہے بلکہ لوگ اس کے چھتے سے بچتے ہوئے نکلتے ہیں۔ شہد مکھیاں دیکھنے میں نہایت کمزور ہیں لیکن ان کے اتحاد اور اجتماعیت نے انہیں ایسی طاقت ور بنا دیا ہے کہ اچھے اچھے لوگ بھی انہیں چھیڑنے کے لئے ہزار بار سوچتے ہیں۔ موتی یقیناً بہت قیمتی چیز ہے لیکن وہ گلے کا ہار اور زینت کا سامان نہیں بن سکتا جب تک کہ اسے دھاگے میں پرو نہ دیا جائے، اینٹ اور پتھر کے ذرات کے آپس میں جمنے اور ملنے کے بعد ہی بلڈنگوں اور عالیشان مکانوں کی تعمیر ہوتی ہے۔ اگر وہ میدان میں بکھرے رہیں تو کبھی مکان کی تعمیر نہیں ہو سکتی۔ ٹھیک اسی طرح آج مسلمانوں کے سارے مسائل کا حل ان کی اجتماعیت اور اتحاد ہے، وہ متحد نہیں اس لئے ان کی شریعت محفوظ نہیں۔

آج ملکی اور بین اقوامی جو مسائل اور نئے نئے فتنے جنم لے رہے ہیں اُن کی وجہ مسلمانوں کا باہمی انتشار ہے۔ ان کا اختلاف یہاں تک پہنچا کہ ان کی مسجدیں، کتابیں، مدارس وغیرہ منقسم ہو گئیں اور وہ مختلف جماعتوں اور گروپ میں بٹ گئے۔ اس انتشار کی وجہ سے اسمبلی اور پارلیمنٹ

میں مسلمانوں کے نمائندے نہیں جو شریعت کے خلاف اٹھنے والی آواز کی مخالفت کر سکیں۔ اس انتشار اور اختلاف کا علم تمام مخالفین کو اچھی طرح ہے۔ وہ لوگ ان کی کمزوری سے مکمل واقف ہیں اس لئے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ ناچ ناچ رہے ہیں۔

قرآن وسنت اسلام کی اساس اور بنیاد ہے۔ جن آیات و احادیث کی تشریحات نصوص میں موجود نہیں، ان میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف ایک فطری چیز ہے اس لئے کہ اذہان اور عقلیں مختلف ہیں۔

ان کی تعبیر ائمہ کرام نے اپنے اجتہادات کی روشنی میں پیش کی ہیں۔ ہر ایک کو یہ حق ہے کہ اپنے علم کی روشنی میں ان نصوص کی تعبیرات بیان کریں لیکن اسی کے ساتھ اتنی رواداری ضروری ہے کہ وہ اور ان کے متبعین ان پر عمل کریں اور دوسرے نظریات کے حامل لوگوں پر زبردستی ان کو نہ تھوپیں اور مخالف نظریات کے افراد کو بھی چاہئے کہ وہ جس تعبیر کو بہتر سمجھتے ہیں اس کو مانیں لیکن دوسروں کو ہرگز ہرگز نہ چھیڑیں کیونکہ یہ اختلاف اجتہاد کی روشنی میں ہے جس میں خطا اور صواب کا امکان بہر حال موجود ہے۔ یہ بالیقین نہیں کہا جا سکتا کہ ہم نے جو سمجھا ہے وہی صحیح ہے اور دوسرا غلط ہے۔ ہر ایک مسلک کے پیچھے دلائل کی قوت ہے اور ان دلائل کے واسطے سے ہر ایک گویا حدیث پر عمل پیرا ہے پھر کسی ایک پر اصرار کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔

فقہاء کے مابین اختلاف کی حقیقت وحیثیت کوئی خاص نہیں ہے لہذا، اس اختلاف کو وجہ انتشار مت بناؤ

فقہاء کے مابین فروعی مسائل میں جو اختلاف واقع ہوا ہے، اس کے تعلق سے قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ ان کے درمیان یہ اختلاف جائز و ناجائز اور حق و باطل کا ہے؟ یا اس

اختلاف کی نوعیت محض اولیٰ، غیر اولیٰ اور راجح، مرجوح کی ہے، جب اکثر مسائل میں فقہاء کے مابین اس اختلاف کی حقیقت وحیثیت کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات واشگاف ہوتی ہے کہ اس اختلاف کی حیثیت افضل، غیر افضل راجح اور مرجوح سے زیادہ نہیں ہے، شاذ ونادر اور بہت ہی کم مسائل میں اس قسم کا اختلاف واقع ہوا ہے، اس اختلاف کی حقیقت ونوعیت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ رقم طراز ہیں: "فقہاء کے مابین اختلاف کی بیشتر صورتیں، بالخصوص وہ مسائل جن میں صحابہ کے اقوال دونوں جانب ہیں جیسے تکبیراتِ تشریق، تکبیراتِ عیدین اور احرام والے کا نکاح، ابن عباس وابن مسعود کا تشہد، آہستہ او رجہر کے ساتھ بسم اللہ پڑھنا، آمین کہنا، اقامت کو جفت اور طاق کہنا اور اس کے مانند دیگر مسائل میں یہ اختلاف دو باتوں میں سے بہتر بات میں تھا، نفسِ مشروعیت میں ان کے مابین بالکل اختلاف نہ تھا۔ (حجۃ اللہ البالغۃ بحوالہ رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۲/ ۱۷۰)

حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ کی اس توضیح وتصریح کی روشنی میں اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فقہاءِ مذاہب کے مابین اس اختلاف کا درجہ راجح، مرجوح، افضل اور غیر افضل سے بڑھ کر نہیں ہے۔

اختلافی مسائل میں صحابہ اور اسلاف کا مزاج وطریق

فروعی مسائل میں ائمہ کے درمیان اس اختلاف کی حیثیت محض افضل غیر افضل سے زیادہ نہیں ہے، اب یہ دیکھنا ہے کہ صحابہ وتابعین اور اسلافِ امت کا اس اختلاف کے بابت کیا مزاج ومذاق رہا ہے؟ کیا انھوں نے اولیٰ اور غیر اولیٰ کے اس اختلاف کو حق وباطل کا اختلاف قرار دے کر اس کو امت کے درمیان انتشار وافتراق کا سبب بننے دیا ہے؟ اور انھوں نے اسے آپس میں بحث ومناظرہ اور جدل ومناقشہ کا موضوع بنایا ہے؟ یا اس اختلاف کو معمولی اور محض بہتر وغیر بہتر کا اختلاف گردان کر ایک

دوسرے کے آراء کے احترام کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کی ہے؟ جب ہم صحابہ وتابعین اور اسلاف کے حالات وواقعات کا تتبع کرتے ہیں تو ہمیں اس میں یہ بات ملتی ہے کہ وہ لوگ اکثر وبیشتر مسائل میں آپس کے اس قسم کے اختلافِ آراء کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ نہایت درجہ ادب واحترام کا معاملہ کرتے تھے، اپنی آپسی ملاقاتوں میں اس معمولی اختلاف کو نظر انداز کرکے نہایت ہی خوش روی اور خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے تھے، انھوں نے اس اختلاف کے بابت کبھی بھی ایک دوسرے پر زبانِ طعن دراز نہیں کی ہے، وہ اس بارے میں اس قدر فراخ دل اور وسعت پسند واقع ہوئے تھے کہ وہ لوگ نقطہ نظر اس اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے؛ چونکہ وہ لوگ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کا یہ اختلاف عین مقتضائے شریعت ہے؛ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ صحابہ وتابعین کے اس اختلاف کے بابت ایک دوسرے کے ساتھ سلوک ورویہ کا تذکرہ کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں: "صحابہ وتابعین اور ان کے بعد کے لوگوں میں کچھ لوگ تو نماز میں بسم اللہ پڑھتے تھے، کچھ لوگ نہیں پڑھتے تھے، کچھ لوگ جہراً بسم اللہ پڑھتے تھے، کچھ لوگ سراً پڑھتے تھے، بعض حضرات فجر میں دعائے قنوت پڑھتے تھے بعض حضرات نہیں پڑھتے تھے، بعض پچھنا لگانے، نکسیر اور قئی کو ناقضِ وضو مانتے تھے اور بعض نہیں مانتے تھے، بعض مَامَسَّتِ النَّارُ پر وضو کرتے تھے بعض نہیں کرتے تھے، بعض اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرتے تھے، بعض نہیں کرتے تھے؛ مگر بایں ہمہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، خواہ وہ امام مالکی ہو یا اس کے علاوہ ہو؛ حالاں کہ مالکیہ نماز میں بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے، اسی طرح ہارون رشید نے پچھنے لگوائے، پھر نیا وضو کیے بغیر نماز پڑھائی، امام مالکؒ نے ان کو فتوی دیا تھا کہ فصد لگوانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور اس کے پیچھے امام ابو یوسفؒ نے نماز پڑھی اور اس کا اعادہ نہیں کیا (حالاں کہ ان کے نزدیک بدن سے خون نکلنے سے وضو ٹوٹ

جاتا ہے)اسی طرح امام احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ نکسیر آنے اور پچھنا لگانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے؛ مگر جب ان سے مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص کے بدن سے خون نکلا اور اس نے وضو کیے بغیر نماز پڑھائی تو کیا آپ اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ "میں امام مالکؒ اور حضرت سعید بن مسیب کے پیچھے نماز کیسے نہیں پڑھوں گا؟، یہ بھی مروی ہے کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ عیدین کی نماز پڑھاتے تھے تو ابن عباس کے قول کے مطابق بارہ تکبیریں کہتے تھے؛ کیوں کہ خلیفہ ہارون رشید کو اپنے دادا کی تکبیریں پسند تھیں، امام شافعیؒ نے ایک مرتبہ امام ابوحنیفہؒ کی قبر کے قریب فجر کی نماز پڑھی تو قنوت نہ پڑھا، پوچھا گیا تو فرمایا کہ "صاحب قبر کے ساتھ ادب کا معاملہ کرتے ہوئے میں نے ایسا کیا ہے" اور آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "ہم کبھی اہلِ عراق کے مذہب کی طرف اترتے ہیں۔" (حجۃ اللہ البالغۃ بحوالہ رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۲/ ۷۱۴)

اس کے علاوہ صحابہ وتابعین اور اسلافِ امت کے بے شمار ایسے واقعات ملتے ہیں کہ انھوں نے آپس کے اس اختلاف کے سلسلے میں نہایت کشادہ دلی، وسعتِ قلبی اور اعلیٰ ظرفی کا مظاہر کیا ہے؛ بلکہ وہ لوگ اس قسم کے اختلاف کو امت کے حق میں رحمت وبرکت قرار دیتے تھے اور اسے توسع اور فراخی کا باعث گردانتے تھے۔ امام سفیان ثوری ایسے اختلافی مسائل کے بارے میں کہا کرتے تھے: "یہ نہ کہو کہ علماء نے مسائل میں اختلاف کیا ہے؛ بلکہ یوں کہو کہ انھوں نے امت کے لیے توسع اور فراخی پیدا کی ہے۔" (المیزان الکبری بحوالہ راہِ اعتدال: ۲۳)

اسی طرح امام سیوطیؒ نے حضرت عمر بن عبد العزیز کا اس بارے میں یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ یوں کہا کرتے تھے: "اگر اصحابِ محمد میں اس طرح کے مسائل میں اختلاف نہ ہوتا تو مجھے اس بات سے خوشی نہ ہوتی؛ اس لیے کہ ان کے مابین اس طرح کا اختلاف نہ ہوتا تو رخصت اور وسعت نہ ہوتی" (ردالمحتار زکریا: ۱/ ۱۶۸)

ایسے ہی خطیب بغدادی نے اس تعلق سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ہارون رشید نے ایک مرتبہ امام مالکؒ سے یوں کہا تھا: میرا ارادہ ہے کہ پوری اسلامی سلطنت میں آپ کی "موطا" کی نقل روانہ کروں اور لوگوں کو اس کے مطابق عمل کرنے پر متفق کروں تو امام مالکؒ نے اس موقع سے یوں فرمایا تھا: امیر المومنین! ایسا نہ کیجیے! وہ شہروں میں پھیل گئے ہیں اور ہر ایک کا طریقہ چل پڑا ہے، ہارون رشید نے کہا: اے ابوعبد اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کو توفیقِ ارزانی بخشیں!" (حجۃ اللہ البالغۃ بحوالہ رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۲/ ۶۱۰، رد المحتار زکریا: ۱۶۸)

اختلافی مسائل کے بجائے اپنے اعمال کی اصلاح کی فکر کی جائے، اتحاد ان شاء اللہ خود بخود ہو جائے گا

اس وقت امتِ مسلمہ کو آپسی اتحاد کی جس قدر شدید ضرورت ہے، شاید کسی دور میں رہی ہو، ایسے وقت میں چند جزوی مسائل کو لے کر گھر گھر انتشار وافتراق کا ماحول پیدا کرنا، امتِ مسلمہ کی صفوں میں پھوٹ ڈالنا، ان مسائل کو ایمان وکفر کا معیار قرار دے کر برادرانِ اسلام اور اکابرینِ امت کے حق میں تضلیل وتکفیر کا دروازہ کھولنا یہ وقت وحالات کے تقاضے کے بالکل موافق نہیں ہے۔

آج امتِ مسلمہ جس طرح کے خطرات وحالات سے دوچار ہے، جس طرح دشمنانِ اسلام ہمیں لقمۂ تر بنالینے، اپنی فوجی، عسکری اور فکری یلغار کے ذریعہ ہمارے تانے بانے بکھیرنے، امت کے درمیان شقاق واختلاف کا ماحول پیدا کرنے اور اسلام اور اسلافِ امت اور ہمارے فقہی ذخیرہ وسرمایہ سے (جو قرآن وحدیث کے بعد اسی کی روشنی میں استخراج واستنباط شدہ زندگی کے تمام مسائل پر حاوی مجموعہ ہے، جو اسلام کا ایک نشانِ امتیاز ہے) سے ہماری وابستگی، تعلق اور اعتماد کو کمزور کرنے کی کوشش ہو رہی ہے، اس نازک موقع پر ہونا تو یہ تھا کہ ہم اس قسم کے معمولی موضوعات کو بالکل نہ

چھیڑتے ؛ چوں کہ اس کی وجہ سے امت میں اتحاد کے بجائے اختلاف پیدا ہوگا ، فاصلے سمٹنے کے بجائے بڑھیں گے ، دل جڑنے کے بجائے ٹوٹیں گے ، اغیار تو چاہتے ہی یہی ہیں کہ کسی طرح ہمارا یہ اتحاد ٹوٹے اور وہ اچانک ہمارے یہ آپسی شقاق اور بکھراؤ سے فائدہ اٹھا کر چومکھی حملہ بول دیں ؛ بلکہ ہماری غفلت و نادانی اور حالات کی نزاکت ودشواری کے عدمِ احساس نے یہ صورتِ حال اس وقت پیدا کردی ہے اور دشمن ہماری صفوں میں نفاق اور شقاق پیدا کر کے کسی حد تک اپنے ناپاک اور خطرناک عزائم میں کامیاب بھی ہو چکا ہے۔

اس وقت ہمارا طریقہ کار یہ ہو کہ امت کو ان غیر اہم مباحث میں الجھانے کے بجائے امت کی توانائیوں اور ان کے وقت کے قیمتی سرمایہ کو ان کے حق میں ٹھوس اور تعمیری کاموں میں لگائیں ، امت کی توجہ کو دینی حالت کی اصلاح ، اعمال کی طرف دعوت ، معاشرت ومعاملات کی درستگی اور غیر مسلموں میں پیغامِ حق وصداقت کو عام کرنے کی طرف مبذول کریں ، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیقِ ارزانی عطا کرے ! (آمین)



سحر، ساحرین، جنات اور شیاطین سے نجات کا مجرب نسخہ

سلسلہ کے تمام حضرات اس مضمون کو بار بار پڑھ کر حرزِ جان بنالیں اور پورا پورا استفادہ کریں۔

﴿حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نہایت قیمتی ملفوظات﴾

﴿جنات کیسے بھاگتے ہیں؟﴾

فرمایا: سالک طریقت کی پیشانی کے نور سے مومن جنات گرویدہ و دیگر جنات و شیاطین بھاگ جاتے ہیں، یہ نور ازلی ہوتا ہے، ہر پریشانی میں موجود ہوتا ہے، لیکن مستور ہوتا ہے، نفس کی کدورت کی جھلی اس نور کو محجوب کئے ہوتی ہے۔

نفس جب کدورت سے پاک ہوتا ہے تو یہ نور منور ہو جاتا ہے، جگمگا اٹھتا ہے، ورنہ کسی اور طرح یہ حجاب نہیں اٹھ سکتا، بھاویں سو سو حیلے کرو، قرآن کریم کی تلاوت کے نور کا جلال جنات وشیاطین کو جلا دیتا ہے، کوئی بھی تاب نہیں لا سکتا۔

﴿قرآن شریف شیطان کو کیسے جلاتا ہے﴾

فرمایا: سالک جب قرآن شریف کی تلاوت میں محو ہوتا ہے قرآن مجید کے نور کے جلال سے ہمزات شیاطین لاغر نحیف اور بے بس ہو کر توبہ توبہ کرنے لگتے ہیں، قرآن کریم کی تلاوت کے نور کا جلال شیطان کو جلا دیتا ہے، تلاوت قرآن، نماز، ذکران تینوں میں ہر مرض سے کلی شفاء ہے، ان تینوں کی کثرت مساوی ہو یہی سلف صالحین کا نسخۂ کیمیا ہے۔

شیطان سے بچنے کا ہتھیار

فرمایا: دیکھئے بیت اللہ، اللہ تعالیٰ کا گھر ہے ابرہہ نے چاہا تھا کہ اس گھر کے اوپر قبضہ

جمائے ، اللہ تعالی نے ابابیلوں کو مسلط کر دیا، انہوں نے کنکریاں مار مار کر اس کے پورے لشکر کو کھائے ہوئے بھس کی طرح بنا دیا، بالکل اسی طرح انسان کا دل اللہ تعالی کا گھر ہے، اگر شیطان اس کی طرف قدم بڑھانا چاہے تو آپ لا الہ الا اللہ کی ضربوں سے اور اللہ اللہ کے الفاظ سے اس کے اوپر پتھروں کی بوچھاڑ کیجیے، پھر دیکھئے کہ اللہ آپ کو شیطان سے محفوظ فرما لیں گے اور قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالی نے ارشاد فرمایا: **إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ** ۔ (سورہ الاعراف، آیت: 201)

ترجمہ: بلاشبہ جنہوں نے تقوی اختیار کیا جب شیطان کی طرف سے کوئی خیال بھی ان کو چھوتا ہے تو وہ اللہ کا ذکر کر لیتے ہیں تو ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔



شجرہ : سلسلۂ چشتیہ منظومہ: حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی

سلاسل اربعہ کے مشائخ کا مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ مشائخ کا شجرہ انفرادی اور اجتماعی طور پر پڑھنے سے مصائب دور، مسائل حل اور مقاصد پورے ہوتے ہیں، اسلئے باجازت شیخ اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

(حضرت مولانا) محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

خلیفہ ومجاز بیعت

حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم ادریس حبان رحیمی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ ومجاز: حضرت حاذق الامت مولانا ذکی الدین صاحب پرنامبٹیؒ

خلیفہ ومجاز: مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلالآبادیؒ

خلیفہ ومجاز: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حمد ہے سب تیری ذات کبریا کیواسطے

اور درود ونعت ختم الانبیاء کیواسطے

اور سب اصحاب وآل مجتبیٰ کے واسطے

رحم کر مجھ پر الٰہی اولیاء کے کے واسطے

بالخصوص ان اولیائے باصفا کے واسطے

مولوی اشرف علی شمس الہدیٰ کے واسطے

حاجی امداد اللہ ذوالعطا کے واسطے

حاجی عبد الرحیم اہل غزا کے واسطے

شیخ عبد الباری شہِ بے ریا کے واسطے

شاہ عبد الہادی پیر ہدے کے واسطے

شاہ عضد الدین عزیز دوسرا کے واسطے
شہ محمد اور محمدی اتقیا کے واسطے
شہ محب اللہ شیخ باصفا کے واسطے
بوسعید اسد اہل ورا کے واسطے
نشہ نظام الدین بلخی مقتدا کے واسطے
شہ جلال الدین جلیل اصفیا کیواسطے
عبد قدوس شہ صدق وصفا کیواسطے
اے خدا شیخ محمد راہنما کے واسطے
شیخ احمد عارفِ صاحب عطاء کیواسطے
احمد عبد الحق شہ ملکِ بقا کیواسطے
شہ جلال الدین کبیر اولیاء کے واسطے
شیخ شمس الدین ترک باضیا کیواسطے
شیخ علا الدین صابر بارضا کیواسطے
شہ فرید الدین شکر گنج بقا کے واسطے
خواجہ قطب الدین مقتول دلا کیواسطے
شہ معین الدین حبیب کبریاء کے واسطے
خواجہ عثمان با شرم وحیا کے واسطے
خواجۂ مودود چشتی پارسا کے واسطے
شاہ بویوسف شہ شاہ وگدا کیواسطے
بومحمد محترم شاہِ وِلا کے واسطے
احمد ابدال چشتی باسخا کے وا سطے
شیخ ابو اسحاق شامی خوش ادا کیواسطے

خواجہ ممشاد علوی بوالعلا کیواسطے

بوہبیرہ شاہ بصری پیشوا کیواسطے

شیخ حذیفہ مرعشی شاہِ صفا کیواسطے

شیخ ابراہیم ادہم بادشاہ کیواسطے

شیخ حسن بصری امام اولیاء کیواسطے

ہادی عالم علی شیرخدا کیواسطے

سرورِ عالم محمد مصطفٰے کے واسطے

یاالٰہی اپنی ذاتِ کبریا کے واسطے

یاحق اپنے عاشقان باوفا کیو اسطے

یارب اپنے رحم واحسان وعطا کیواسطے

کر رہائی کا سبب اس مبتلا کیو اسطے

کون ہے تیرے سوا مجھ بےنوا کیواسطے

ہے عبادت کا سہارا عابدوں کیو اسطے

ہے عصائے آہ مجھ بےدست وپا کیواسطے

بخش وہ نعمت جو کام آوے سدا کیواسطے

اپنے لطف ورحمت بے انتہا کیواسطے



معمولات

صبح و شام

معمولات اور ان کی تعداد کم ہوں یا زیادہ مشائخ اپنے مریدین ومتوسلین کو ان کے حسب احوال ارشاد فرماتے ہیں۔راقم السطور مندرجہ ذیل طریقے پر سالکین طریقت وعاشقان حق کی رہنمائی کا ادنی فریضہ انجام دیتا ہے۔

«طبقۂ اولیٰ»

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت حکیم الامتؒ کے بعض ذاتی معمولات یہ تھے ۔تہجد کے بعد آپ اس طرح معمولات کوشروع فرماتے:

أَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِي عَنْ غَيْرِكَ وَنَوِّرْ قَلْبِي بِنُورِ مَعْرِفَتِكَ ________ 3،بار

أَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّي مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوبُ إِلَيْهِ ________ 100 بار

درودشریف۔ ________ 100بار

لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ۔ ________ 200بار

إِلَّا اللهُ۔ ________ 400,بار

أَللهُ اللهُ۔ ________ 600,بار

أَللهُ۔ ________ 100بار

تلاوت کلام پاک کم ازکم ایک پارہ مع سورۂ یسین شریف۔

مناجات مقبول حضرت حکیم الامتؒ۔ ایک منزل

شام کے معمولات

استغفار۔ ________ 100، بار

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ________ 100، بار

درود شریف۔ ________ 100، بار

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

طبقۂ ثانیہ

صبح کے معمولات

اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِي عَنْ غَيْرِكَ وَنَوِّرْ قَلْبِي بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ ________ 3، بار

اَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ ________ 100، بار

درود شریف۔ ________ 100، بار

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ________ 100، بار

اَللہُ اللہ۔ ________ 100، بار

اللہ۔ ________ 100، بار

کم از کم سورۂ یسین شریف کی تلاوت، زیادہ سے زیادہ تلاوت کی کوئی حد نہیں۔

مناجات مقبول حکیم الامتؒ ہر روز۔ ________ ایک منزل

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

شام کے معمولات

استغفار۔ ________ 100، بار

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ________ 100، بار

درود شریف۔ ________ 100، بار

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

(نوٹ)

طبقۂ اولیٰ کیلئے حسب طاقت صبح میں

سورۂ اخلاص۔ ____________ 100، بار

تیسرا کلمہ، سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَر۔ ____ 100، بار

طبقۂ اخیر کیلئے صبح کے معمولات

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ ____________ 33، بار

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔ ________ 33، بار

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَآلِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ ____ 33، بار

قرآن شریف کی تلاوت کم از کم دس آیتیں۔ زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

شام کے معمولات

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ ____________ 33، بار

استغفار۔ ____________ 33، بار

درود شریف۔ ____________ 33، بار

سورۂ اخلاص، سورہ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

عشاء کی نماز کے بعد وتر سے قبل دو یا چار رکعت تہجد ہر طبقہ کیلئے۔



{مؤلف کا تعارف}

نام	:	محمد علاء الدین قاسمی ابن الحاج حافظ حبیب اللہ صاحب۔
ولادت و پیدائش	:	مقام و پوسٹ: جھگڑوا، تھانہ جمال پور، وایا گھنشیام پور، ضلع دربھنگہ بہار (انڈیا)
ابتدائی تعلیم	:	ناظرہ، وحفظ، وقرأت قرآن شریف: مدرسہ عربیہ حسینیہ چلہ امروہہ ضلع مرادآباد یوپی۔
عربی اول	:	جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد (یوپی)
عربی دوم، سوم	:	مدرسہ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ (یوپی)
اعلی تعلیم	:	عربی چہارم تا دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند (یوپی)
فراغت	:	سنہ ۱۹۹۱ء

بعد فراغت مصروفیات...

درس وتدریس : درجہ سوم تا ہفتم: مدرسہ حسینیہ شریوردھن کوکن مہاراشٹر۔

حرمین شریفین کی زیارت اور عملی سرگرمیاں: فریضۂ امامت اور جدہ اردو نیوز کے لئے کالم نگاری۔

موجودہ مصروفیات : خانقاہ اشرفیہ پالی کی ذمہ داری اور تصنیف وتالیف کے مشاغل۔



مؤلف کی مشہور کتابیں

۱۔ رمضان المبارک سے محرم الحرام تک۔
۲۔ اپنے عقائد کا جائزہ لیجئے۔
۳۔ نکاح اور طلاق۔
۴۔ حج گائیڈ۔
۵۔ چالیس حدیثیں۔
۶۔ جادو ٹونا، اور کہانت کا حکم۔
۷۔ دس عظیم صحابہ کرامؓ کے ایمان افروز واقعات۔
۸۔ وعظ و ادب کا خزانہ۔
۹۔ عظمت قرآن۔
۱۰۔ مسائل حاضرہ۔
۱۱۔ قربانی کے ضروری مسائل۔
۱۲۔ اصلاح کا تیر بہدف نسخہ۔
۱۳۔ چراغ اصلاح۔
۱۴۔ تکبر ایک وبال ہے۔
۱۵۔ تنقید ایک بُری عادت ہے۔
۱۶۔ جنت کے حسین محلات اور لذیذ و نفیس نعمتیں۔
۱۷۔ تراویح کا پیسہ لینا جائز نہیں۔

۱۸۔رمضان المبارک کو نفع بخش اور مقبول بنانے کے صحیح طریقے۔

۱۹۔قیامت کی آخری علامتیں۔

۲۰ تصوف کی اہمیت وضرورت۔

۲۱۔غیبت ایک گندہ عمل ہے۔

۲۲۔اصلاح کے قیمتی موتی۔

۲۳۔اصلاح کے اہم نسخے۔

۲۴۔اخلاص اوراخلاق۔

۲۵۔اصلاحی واقعات جلد،اوّل۔

۲۶۔اصلاحی واقعات جلد دوم۔

۲۷۔اصلاحی واقعات جلد سوم۔

۲۸۔دعاء کا صحیح طریقہ۔

۲۹۔اصلاح کا مبارک سفر۔

۳۰۔قربانی کی شرعی حیثیت۔

۳۱۔پنج وقتہ نماز اوران کے ضروری مسائل۔

۳۲۔محرم الحرام تاریخ وشریعت کے آئینے میں۔

۳۳۔عہدہ ومنصب کا حریص،رسوائی اوروبال کا طالب ہے۔

۳۴۔اتحادواتفاق کے بغیر آپ کی جماعت کا فیل ہونا طے ہے۔



﴿بیعت سے آدمی پاک صاف ہو جاتا ہے﴾

حضرت خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں میرا بیعت ہونے کو بہت جی چاہتا تھا، مگر ہمت نہیں ہوتی تھی کیونکہ مجھے یہ فکر دامن گیر تھی کہ اگر بیعت ہونے کے بعد بھی گناہ ہوتے رہے تو بیعت ہونے سے کیا فائدہ؟ اس لئے پہلے حضرت میرے ناپاک ہاتھوں کو اس قابل کر دیں کہ حضور کے پاک ہاتھوں میں دے سکوں، احقر کی عرض مذکور پر تمثیلاً فرمایا کہ: ایک دریا تھا اس کے پاس ایک ناپاک اور میلا کچیلا آدمی آیا اس دریا نے کہا کہ آ تو میرے پاس آ جا۔ اس نے کہا کہ میری بھلا کیا مجال ہے میں تیرے پاس آسکوں، تو بالکل صاف وشفاف، میں بالکل نجس، پلید، ناپاک، دریا نے جواب دیا تو تو اس حالت میں میرے پاس آنے نہیں پاتا اور بغیر میرے پاس آئے اور میرے اندر نہائے پاک ہو نہیں سکتا، تو بس ہمیشہ کیلئے دوری ہی رہی، ارے بھائی پاک ہونے کی تدبیر بھی تو یہی ہے کہ بس آنکھیں بند کر کے بلا پس وپیش میرے اندر کود پڑ بس، پھر فوراً ہی میرے اندر سے ایک ایسی موج اٹھے گی جو تیرے سر پر ہو کر گذر جائے گی اور آن کی آن میں تیری ساری نجاستوں کو دھو کر تجھے سر سے پاؤں تک بالکل صاف کر دے گی۔ (اشرف السوانح، ج/2، صفحہ/51)

نوٹ:

اس مضمون کو طباعت کے وقت بیک فرنٹ پر ڈالیں